ضرورت تصنیف کتاب

مسلمانوں کی زندگی کا ہر شعبہ اس قدر بے ڈھنگ سا ہو کر اس مثل کا مصداق بن گیا ہے کہ " اونٹ رے اونٹ تیری کونسی کل سیدھی "

مسلمانوں میں بعض خصوصی خاندان ہیں جن کے کردار کے تمام پہلو نہایت ہی بھیانک و عبرتناک، محسن کش اور خطرناک ہیں اور مذہب کا جہاں تک سوال و تعلق ہے، ریا کاری و شرک میں مبتلا ہو کر خون کے آنسو ہی آنسو بہائے جا سکتے ہیں، ان کے پیش نظر صرف دنیا ہے اور دین کے نام پر دنیا کما کر حضرت اقبال کے اس مصرع کی تفسیر بنے جی رہے ہیں۔

" دنیا تو ملی طائر دین کر گیا پرواز "

مزید تفصیل حصہ دوم " توہین رسول، توہین مذہب اور مسلمان " میں ملے گی۔ کاش مسلمان مائل بہ اصلاح ہوں

انتساب

مجھے اللہ پاک سے یقین ہے کہ اس کتاب کی حقیقی داستان اپنی زبان حال سے خود اس کتاب کو غالب کے اس شعر سے منسوب کرے

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہو

● بار اوّل و تعداد :- اکتوبر ۱۹۸۹ء، ایک ہزار
● قیمت :- ۱۲ (بارہ) روپے Rs 10 = 00

بغرض اصلاح معاشرہ تمدن سیاست کردار اور مذہب

(دیدۂ عبرت نگاہ و گوشِ نصیحت نیوش کے لئے)

خون کے آنسو ہی آنسو

اور مسلمان

اور علامہ اقبال

زوال پذیر مسلمان قوم کی عورتیں اور مرد

ایک

حقیقت ایک داستان

ھر پہلو قابلِ عبرت ھر پہلو خطرناک

محمد جمیل الدین صدیقی
ریٹائرڈ سپرنٹنڈنٹ
ھائیکورٹ اے پی حیدرآباد
انڈیا

خون کے آنسو یہ آنسو اور مسلمان (حصہ اول) اور علامہ اقبال

زوال پذیر مسلمان قوم کی ایک عورت اور ایک سیدزادے کی حقیقی داستان

ہر پہلو قابلِ عبرت، ہر پہلو خطرناک

باب اول

(۱) نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت سے نہیں سنورتے (اقبال)

وہ ایک منصف مجسٹریٹ کی بیٹی تھی ـــــ ایک اعلیٰ عالم خاندان کے حامل منصف مجسٹریٹ کی بیٹی ـــ ایک ایسا منصف مجسٹریٹ جو اس وقت کا مجسٹریٹ تھا جبکہ زمیندار اور صاحب دولت و ثروت اضلاع میں دن کے اُجالے میں بلاخوف ڈنکے کی چوٹ پر قتل کروا دیتے اور منصف مجسٹریٹ کو منہ مانگی رقم دیکر خرید لیتے ـــ مقدمہ قتل عدالت میں پیش تو ہوتا لیکن اسکی پیش رفت نہ ہو سکتی ۔ مجسٹریٹ کے ہاتھوں مقدمہ اس قدر کمزور کر دیا جاتا کہ ملزم بچ جاتے ۔ اگر کوئی منصف مجسٹریٹ ایمان دار ہوتا اور ان کے ہاتھوں نہ بکتا تو پھر یہ زمیندار اور صاحب ثروت مجسٹریٹ کے جان کے لئے وبال جان بن جاتے اور اسکو کشمکش اور مصائب میں مبتلا کر دیتے اسکو اپنی شجاعت کے مظاہرے دکھا کر ملازمت انجام دینی پڑتی تھی ـــــ یہ ایسا ہی منصف مجسٹریٹ تھا رشوت جس سے لرزاں تھی محکمہ انصاف کو اس پر ناز تھا ۔ یہ صداقت پسند انصاف آشنا منصف مجسٹریٹ دوسرے انصاف کی ناؤ کے ناخداؤں کے لئے رہبری اور امامت کے فرائض انجام دیتا تھا ـــ جہاں حالات بد سے بدتر ہوتے یہ نیک فرشتہ خصلت مجسٹریٹ بغرض انصاف رسانی وہاں کے عہدہ پر بنجاب محکمہ اعلیٰ فائز کر دیا جاتا گویا وہ علامہ اقبال کے اس شعر کی تفسیر بن چکا تھا ۔

سبق پھر پڑھ صداقت کا عدالت کا شجاعت کا ؛ لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اس منصف مجسٹریٹ نے صداقت دیانت شجاعت اور عدالت کے اسباق ازبر کر لئے تھے۔
۔ تو ہاں وہ ایک ایسے بلند پایہ محترم المقام منصف مجسٹریٹ کی دخترِ کلاں تھیں جس نے فاطمہ نام اور محمدی عرف پایا تھا۔
—— ان ہمہ گیر اوصاف حمیدہ کے حامل منصف مجسٹریٹ کی ایک کمزوری اپنے دخترِ کلاں سے محبت میں حد سے تجاوز کرنا بھی تھا' ایسا بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اس محبت کی بناء پر فاطمہ کو تعلیم کے زیور سے محروم رکھا گیا یا اسکی تربیت میں کوئی کسر چھوڑی گئی تھی تعلیم و تربیت مکمل اور اچھی تھی مگر بقول حضرت اقبال جب جوہر ذاتی ہی نہ ہو تو۔

نہ ہو طبیعت ہی جن کی قابل وہ تربیت میں نہیں سنورتے
ہوا نہ سرسبز رہ کے پانی میں عکس سروِ کنارِ جو کا

آخر وہ باوجود تعلیم و تربیت رفعت کی لذت سے آشنا نہ ہو سکی۔ نہ اس نے اپنے باپ کی ظاہری فطرت نیک سے شان بے نیازی لی اور نہ ہی اپنی سیدانی ماں کی ظاہری طبیعت سے پاکیزگی اور بلند افکاری حاصل کی —— دن یوں ہی گذرتے رہے وہ بچپن اور لڑکپن کی منزلیں طے کرتی ہوئی گلشن شباب کی سیر کرنے لگی یعنی اب وہ ایک عورت تھی مگر ایسی عورت نہیں جس کے بارے میں حضرت اقبال نے فرمایا ؎

وجودِ زن سے ہے تصویرِ کائنات میں رنگ ☆ اسی کے ساز سے ہے زندگی کا سوزِ دروں

اسکی فطرت خود اسکو ایک ایسے علم سے آشنا کر رہی تھی جس کے بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن ☆ کہتے ہیں اس علم کو اربابِ نظر موت!

بہر حال وہ اپنے خود ساختہ فطرت کے علم کی بناء پر "نازن" بنتی جا رہی تھی - وہ اپنی فطرت خداداد سے نہیں —— بلکہ فطرت ابلیس زاد" سے احساس مروت کو کچلتی ہوئی فتنہ سے فتنہ عظیم بنتی جا رہی تھی۔

(۲) یہ امت خرافات میں کھو گئی (علامہ اقبال)

آخر ایک وقت آیا کہ فاطمہ کی شادی کے دن آ گئے۔ فاطمہ کے والد کی حقیقی بہن نے اپنے بھائی کی لاڈلی دختر کلاں کو اپنے چاؤ سے پالے فرزند اکبر کے لئے بصد آرزو پسند کر لیا - بھائی سے اقرار وثائق لینے پر بھی تسکین و تشفی نہ ہوئی تو رسم کے مراسم غیر اسلامی اسراف کے انداز لئے تکمیل کئے گئے

یہہ گہر نایاب کہیں ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ ادھر بہن بھائی کی دختر کو اپنے فرزند اکبر کے لئے انتخاب کر کے نازاں و فرحاں تھیں تو ادھر بڑے بھائی اپنی چھوٹی بہن کے لڑکے سے رسم کر کے باغ باغ تھے کہ اپنی بیٹی کے لئے خوشیوں و مسرتوں کا گویا گلستان خرید لیا ہے۔ برسوں رسم رہا۔ ہر عید برات اور محرم کو اسراف کے مظاہرے ہر جانب سے ہوتے رہے۔ حصہ جات اور سلامیوں پر بے دریغ روپیہ ضائع ہوتا رہا۔ علامہ اقبال کے اشعار مشعل راہ بننے کے بجائے انکی کتاب بال جبرئیل ہی کی رونق بنکر رہ گئے اور زوال پذیر قوم کے افراد پر تقدیر ہنستی رہی۔

نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں ؛ خرد کھوئی گئی ہے چار سو میں
ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے ؛ تری پرواز لولاکی نہیں ہے۔

(۳) میں ان کی محفل عشرت سے کانپ جاتا ہوں (اقبال)

رسم ہوکر برسوں ہو چکے تھے اب فاطمہ (۲۱) سال کی ہو چکی تھی۔ آخر خدا خدا کر کے شادی کے دن آہی گئے اور تاریخ شادی مقرر ہوگئی۔ منصف مجسٹریٹ صاحب جو بعد حصولی وظیفہ حسن خدمت از ممالک محروسہ سرکار عالی ریاست نظام اب ایک جاگیر کی منصفی پر بحیثیت منصف مجسٹریٹ فائز تھے۔ بعد تیاری بسیار رخصت لیکر لاڈلی بیٹی کی شادی رچانے حیدرآباد تشریف لائے۔ سیف نواز جنگ کی ڈیوڑھی ایک ماہ کے لئے مستعار لیگئی۔ ایک ماہ تک مہمانوں کی مہمان نوازی بڑے اہتمام کے ساتھ جاری رہی۔ اپنے دور کے اوسط طبقہ کی دھوم دھام سے رچائی ایک معیاری شادی تھی اس کے تذکرے اور اعتراف خاندانوں میں ہر ایک کی زبان پر تھے۔ اپنی ذات تک سادہ زندگی اور غذا استعمال کرنے والے مجسم شریعت اور ایک عالم خاندان کے عالم سپوت منصف مجسٹریٹ اپنی لاڈلی بیٹی کی شادی میں اسلامی سادگی بھول گئے اور دختر کلاں کی محبت میں اس قدر غلو کر گئے کہ مزید چار لڑکیوں کے مستقبل کو نظر انداز فرما کر ایمانداری اور دیانت سے کمایا اور بچایا سب روپیہ اس دختر نیک اختر کی خوشی و خوشنودی کے لیے لٹا ڈالا، بقول حضرت اقبال

میں ان کی محفل عشرت سے کانپ جاتا ہوں ؛ جو گھر کو پھونک کے دنیا میں نام کرتے ہیں

شادی ہر لحاظ سے دونوں جانب شکر کی تھی۔ کوئی آرزو و تمنا ایسی نہ تھی جو باقی رکھی گئی ہو۔ کوئی حسرت ایسی نہ تھی جس کی تکمیل دیکھ کر اسکو حسرت کا موقعہ دیا گیا ہو۔ جہیز کیا تھا۔ ایک جگمگاتا شوروم نظر آرہا تھا۔ ملبوسات زرین اپنی چمک دمک دکھا رہے تھے

ایک ایک ساڑی پر سینکڑوں روپیہ کا کام اور مصالحہ زرین آنکھوں کو چکا چوند کر رہا تھا۔ سونا چاندی اپنی آب و تاب دکھانے میں مصروف تھے۔ ساس نے سونے کے توڑے سے علاوہ دیگر زیور بہو کو چڑھائے تھے، یہہ سونے کے توڑے آگے دیکھئے کیا کیا رنگ دکھاتے ہیں؟ سلامیوں میں علاوہ نقدی کے چاندی کا سامان اس قدر ملا تھا جس کی مالیت ہزاروں تک پہنچ رہی تھی۔ قوم زوال پذیر ہوتی جارہی تھی مگر ہندوؤں کے مراسم ایسے مسلمان گھرانوں میں گھر کر گئے تھے جو مسلمانوں کے لیے باعث تباہی بن کر قوم کو منہ چڑا رہے تھے۔ مانجہ، سانچق، مہندی، جلوہ، چوتھی، جمعگیاں سب رسومات ایسی تھیں جس میں شاید ہی کوئی انجام نہ دی گئی ہوں۔ مسلمانوں نے اپنا سب کچھ کھوکر ہندوؤں کے رسومات کو آنکھوں سے لگا رکھا تھا۔ اسلامی سادگی صرف کتابوں میں بند کر کے رکھ دی گئی تھی۔ یہہ منصف مجسٹریٹ کی دختر عرف محمدی نام فاطمہ کی شادی تھی جسکو محمدؐ (رسول خدا) کی دختر فاطمہ کی شادی سے کوئی نسبت ہی نہ تھی اس شادی کی سادگی تو صرف کتابوں کی زینت بنی قلوب کو خوش کرنے اور احتراماً پڑھتے رہ گئی تھی۔ یہہ شریعت پسند صوفی منش منصف مجسٹریٹ بقول حضرت اقبال

تمدن تصوف شریعت کلام ؎ بتانِ عجم کے پجاری تمام

وہ صوفی کہ تھا خدمت حق میں مرد ؎ محبت میں یکتا حمیت میں فرد

عجم کے خیالات میں کھو گیا ؎ یہ سالک مقامات میں کھو گیا

شادی ہوچکی ـــ دعوتوں کے بے نظیر طعام کا تو تذکرہ ہی کیا ـــــ صرف اس کی لو ہی فرحت بخشنے کافی تھی حکومت مسلمانوں کے ہاتھ سے جاچکی تھی۔ دکن میں نظام کی حکومت کا ٹمٹماتا ہوا چراغ جل رہا تھا۔ یہاں کے باشندے اسکو بدر کامل اور آفتاب درخشاں سمجھ رہے تھے۔ انگریز آقاؤں کے روپ میں پورے ہندوستانیوں کے سر پر سوار تھا اور مسلمان زوال پذیر قوم اپنے لغویات سے بازہی نہ آتی تھی۔ رسی کے جل جانے پر بھی دکھاوے کے بل پر ناز تھا، بقول حکیم الامت

حقیقت خرافات میں کھو گئی ؎ یہہ امت روایات میں کھو گئی

۴۔ پہلا ڈرامہ اور مجسٹریٹ صاحب کی جاگیر کی نوکری برخواست

شادی ہوچکی جمعگیاں ہوچکیں، اب منصف مجسٹریٹ صاحب دولہا دلہن کو اپنے ساتھ گاؤں اپنے مستقر پر لیجانے کے لئے اپنی بہن کو رضامند کر کے جانے کی تیاریوں میں مصروف تھے۔ خاندان کی روانگی کے لئے لاریوں اور دولہا دلہن کیلئے خاص موٹر کا انتظام ہوا۔ موٹریں گھر پر آگئیں۔ صبح

سویرے روانگی تھی۔ پہلا ڈرامہ دولہے میاں نے کیا کہ وہ شہر کو چھوڑ کر چار مینار کسی دن دیکھے بغیر نہ رہ نہیں رہ سکتے۔ دولہا دلہن میں اتفاق ہوا۔ دولہن نے ڈرامے کے ایسے پاٹ ادا کئے کہ سب لوٹ گئیں واپس۔ صرف مجسٹریٹ اہل و عیال کو شہر میں چھوڑ کر تنہا اپنے مستقر پر روانہ ہو گئے۔ کچھ دن بھی وہاں نوکری کرنے نہ پائے تھے کہ بیٹی کی یاد آنے لگی۔ رخصت لیکر شہر تشریف لائے۔ اب بیٹی نے اپنے ڈرامے کو نئی کروٹ دی اور باپ کو سسرال کے مظالم آنکھوں کی برسات برسا کر جو بلا ابر برس رہی تھی سنائی اور یقین دلایا کہ اگر باپ دور رہے تو وہ شہر آکر یا تو اسکی نعش ہی دیکھ سکیں گے۔ یا ہو سکتا ہے کہ اس کا بھی موقعہ نہ ملے۔ بلا اطلاع دفن کر دی جائے۔ ضعیف باپ کا دماغ چکرا گیا کہ ہائے سمجھا کیا تھا اور کیا ہو گیا۔ پرانا محاورہ صادق آگیا کہ پھوپھو ساس نہ بنے، باندی سوکن نہ بنے — اب منصف مجسٹریٹ ملازمت کو استعفیٰ دیکر شہر میں بیٹی کی حفاظت کے لئے رہ گئے اور دوسرے چار بیٹوں کا مستقبل بڑی بہن کی صورت تکنے لگا۔ بہر حال دختر کلاں بڑی مکاری سے پھل ممنوعہ جس کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا ہے کہ — "یہ وہ پھل ہے کہ جنت سے نکلواتا ہے آدم کو" یہ پھل باپ کو کھلا کر نوکری سے نکال دیا۔ بیٹی کی مکاری کو مجسٹریٹ سمجھ نہ سکے۔ محبت سمجھکر نوکری چھوڑ بیٹھے، ایسی محبت کے بارے میں حکیم الامت نے کہا ہے۔

شہید محبت نہ کافر نہ غازی　　محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی

وہ کچھ اور شئے ہے محبت نہیں ہے　　سکھاتی ہے غزنوی کو ایازی

یہ جوہر اگر کارفرما نہیں ہے　　تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی

نہ محتاج سلطان نہ مرعوب سلطاں　　محبت ہے آزادی و بے نیازی

مرا فقر بہتر ہے اسکندری سے
یہ آدم گری ہے وہ آئینہ سازی

(۱) یہہ کافری تو نہیں، کافری سے کم بھی نہیں۔ (علامہ اقبال)

فاطمہ کے سسرال اور نوشہ میاں پر ایک نظر

فاطمہ کی پھوپی ایک سید خاندان میں بیاہی گئی تھیں لہذا فاطمہ کے شوہر "بادشاہ" سید زادے تھے جن کو حسب ضرورت سید زادے کے نام سے بھی پکارا جائے گا۔ فاطمہ کے پھوپا یعنی خسر ایک پائیگاہ کے چوٹی کے عہدہ پر فائز تھے۔ فاطمہ کی پھوپی ان کی تیسری بیوی تھیں جو بعد انتقال دو ازدواج بیاہی گئی تھیں۔ گھر پر ذاتی بگھی اور موٹر۔ گھر میں نوکر چاکر، عالیشان دو منزلہ بنگلہ۔ بنگلہ پر پولیس و پائیگاہ کی فوج کا پہرہ۔ کمی کسی شئے کی کیا ہو جبکہ کمی روپیہ ہی کی نہ تھی ۔۔ جائز اور ناجائز ہر طرح کا روپیہ قدم بوس ہو رہا تھا۔ سب بیخودی کے جھولے میں جھول رہے تھے۔ یہ سید گھرانے والے ۔ بقول حضرت اقبال

کہ مرد حق ہو گرفتار حاضر و موجود ؛ یہہ کافری تو نہیں، کافری سے کم بھی نہیں

کے مصداق بنے جی رہے تھے۔

فاطمہ کی پھوپی کے خود بطن سے بارہ لڑکے اور تین بیٹیاں تھیں، فاطمہ کے شوہر فرزند اکبر تھے۔ روپیہ کی فراوانی نے کسی بیٹے کو تک میٹرک پاس ہونے نہ دیا تھا۔ جب گھر میں روپیہ کی دیوی لکشمی اپنا ٹھکانہ بنا چکی تھی تو علم کی دیوی سرسوتی کو اس نے اس گھر میں قدم جلنے ہی نہ دیا تھا۔ فاطمہ کے شوہر بادشاہ تو بڑے لاڈ و پیار کے فرزند تھے اور ماں باپ کے آنکھوں کے تارے۔ چونکہ بڑی اولاد تھے لہذا سب سے زیادہ لاڈ و پیار کے مستحق۔۔ یہ نہیں کہ ان پر تعلیم پر روپیہ خرچ نہیں کیا گیا تھا ۔۔ باوجود پانی کی طرح روپیہ بہانے مقامی بڑے اسکولوں میں پڑھانے کے بعد حیدرآباد سے ناامید ہوکر بغرض حصول تعلیم علی گڈھ کا تک سیر کر آئے تھے۔ کوئی ڈگری لینا تو بڑی بات تھی میٹرک بھی پاس نہ کر سکے تھے۔ بادشاہ تو انہیں ہر ایک پکارتا ہی تھا لہذا بادشاہ سلامت ٹھاٹھ کے ملبوسات کے شوقین، آرام طلب، تن آسان و نزاکت کی آغوش میں طفل شیر خوار بنے جوان ہوئے ایسے جوان جن کے بارے میں حکیم الامت فرماتے ہیں۔

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالین ہیں ایرانی ؛ لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی
امارت کیا شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل ؛ نہ زور حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی رض

نوشہ میاں ابھی تک بیروزگار تھے۔ ماں باپ نے اپنی ذمہ داری پر شادی رچائی تھی۔ فاطمہ کو بغرض رہائش بنگلہ پر بڑے بڑے دو معال اور ایک کمرہ دیا گیا تھا۔ ضروریات اور طعام کی تکمیل ضرورت سے زائد ہی ہو رہی تھی مگر فاطمہ کی ناشکرگزار فطرت برابر نالاں تھی، ہر چیز اسے ناپسند تھی۔ ادھر فاطمہ نے جس حسنِ انداز سے اپنے باپ کے دل میں سسرال کی جانب سے نفرت کے بیج بونے شروع کر دیئے تھے تو دوسری جانب اس کی ساس (پھوپی) بیچاری کو ان ریشہ دوانیوں کا پتہ نہ تھا۔

دیکھتے دیکھتے گیارہ مہینے گزر گئے۔ اب فاطمہ ایک عدد بچے کی ماں بن چکی تھی۔ دادا، دادی کو پوترے کی ولادت نے باغ باغ کر رکھا تھا وہ پھولے نہ سماتے تھے۔ لیکن فاطمہ کو ان کی یہ خوشیاں ایک نظر بھی نہ بھاتی تھیں وہ مفت کی نفرت ساس اور سسرال سے دل میں چھپائی۔ صرف اپنی خوشیوں ہی کو خوشیاں اور اپنی امنگوں کو ہی امنگیں سمجھتی تھی گویا بقول شاعرِ مشرق۔

امنگیں میری آرزوئیں مری ؛ امیدیں مری جستجوئیں مری
مری فطرت آئینہ روزگار ؛ غزالاں افکار کا مرغزار
مرا دل مری رزم گاہ حیات ؛ گمانوں کے لشکر یقیں کا ثبات

چِلّہ چھٹی و رسم چھلّہ

ادھر فاطمہ نے باپ کو جاگیر کی اس وقت کی ماہانہ چارسو کی ملازمت سے کنارہ کش کروا دیا تھا۔ اب چِلّہ چالیس روز میں شاندار انداز سے تو ہو چکا۔ مگر فاطمہ کے دل ہی دل میں رسم چِلّہ کی ادائی گدگدیاں ہو رہی تھیں کہ شاندار سامان، جھولا اور ملبوسات بچہ کے لئے اور شاندار سلامی نوشہ کے لئے اور پھر ہر دو کے لئے ملبوسات شاہانہ بھی میکہ سے ملیں، چونکہ ان دونوں نے بڑی محنت کر کے گیارہ ماہ میں نانا، نانی کو نواسہ عطا فرما کر احسانِ عظیم کیا تھا۔ اب اس نے ایک اور فتنہ انگیز چال چلی کہ ساس اور خسر رسم چِلّہ اور سامان کے سخت منتظر ہیں اور نہ ہو تو اس کی زندگی عذاب و وبال بن کر رہ جائے گی۔ وہ ہر فتنہ بجاتے وقت بڑے ماہرانہ انداز رکھتی تھی اور ہر فتنہ "جو کہناں" بن کر ایسے ایسے کمالات بقول علامہ اقبال دکھاتی تھی۔

وہ جوئے کہستاں اُچکتی ہوئی ؛ اٹکتی لچکتی سرکتی ہوئی
اچھلتی پھسلتی سنبھلتی ہوئی ؛ بڑے پیچ کھا کر نکلتی ہوئی

رگِ جب تو سلِ چیر دیتا ہے یہ　　؛　　پہاڑوں کے دِل چیر دیتی ہے یہ

(۲) اسکی تقدیر میں محکومی و مظلومی ہے

(شعلہ اقبال)

منصف مجسٹریٹ کے غیر منصفانہ فیصلے

ایک مجسم شریعت ایک عالم خاندان کا سپوت، ایک محکمہ عدلیہ کا شاندار منصف مجسٹریٹ جس کے انصاف کے ڈنکے ان کے اپنے محکمہ اور مستقر کی رعایا میں بج چکے تھے اب بعد وظیفہ گھر کے معاملات میں دختر کلاں اور دوسری اولاد کی حد تک جہاں انصاف کا سوال تھا دختر کلاں کی محبت میں غیر منصفانہ فیصلے صادر فرمانے لگا تھا۔ البتہ تعداد اولاد کی حد تک انصاف کو اس انداز سے پیش نظر رکھا تھا اور انصاف کے ترازو کے ہر دو پلوں میں مساوات اور انصاف اس طرح قائم کئے گئے تھے کہ ایک پلہ میں پانچ بیٹیاں تھیں تو دوسرے پلے میں پانچ بیٹے ___ یعنی بیٹوں اور بیٹیوں کی تعداد مساوی ___ پانچ ___ پانچ

منصف مجسٹریٹ صاحب کی جاگیر کی خدمت سے سبکدوشی کے بعد ذرائع آمدنی صرف وظیفہ حسنِ خدمت ایک سو دس روپے اور منصب تاحیات پچاس رہ گئی تھی جس میں گیارہ افراد زیر پرورش تھے۔ چار ناکتخدا بیٹیاں پانچ بیٹے ___ ماں اور باپ۔ اب مجسٹریٹ صاحب نے اعظم جاہی ملز کے حصص جو خرید رکھے تھے ان کو فروخت کرکے دختر کلاں کے رسم چہلّہ کی سماجی ہندوانی رسم کی انجام دہی کا فیصلہ کر ڈالا۔ چنانچہ حصص فروخت کردیئے گئے۔ ماں باپ ہر روز بازار جاتے۔ اُپنی جھولا اس کا قیمتی بستر جرمنی کے بنے ظروف چینی۔ تانبے کے برتن ملبوسات خرید کر لاتے۔ بڑی غضبناک اور عبرتناک بات علاوہ دیگر ناکتخدا بیٹوں کے مستقبل کے یہ تھی کہ ان کا فرزند دوم بجیلانی بارہ سالہ ٹائیفائیڈ میں مبتلا تھا۔ بخار کی شدت تھی۔ ٹائیفائیڈ پلٹ پلٹ کر آرہا تھا اور یہ تیسری بار تھا، چھ ماہ سے بستر پر تھا۔ وہ ماں باپ کی مصروفیت بستر پر پڑا پڑا دیکھتا رہتا اور ماں حقیقی کی یہ آواز جو بڑی بیٹی کی محبت اور شوہر کے ہاں میں ہاں ملاتے اس نے کہی تھی اس کے کانوں میں گونجتی کہ "سرکاری دواخانہ کی دوا سے لوگ کیا اچھے نہیں ہوتے؟ زندگی ہے تو بچ جائے گا؟" حالانکہ فرزند کلاں کو بھی بارہ سال کی عمر میں ٹائیفائیڈ ہوا تھا تو پانی کی طرح روپیہ بغرضِ صحت بہا دیا گیا تھا۔ انسانوں کی زندگی میں ایسے خطرناک مواقع آتے ہیں کہ وہ ناقابلِ معافی مجرم بن کر روزِ قیامت داورِ محشر کے سامنے عدم ادائی حقوق کے سلسلہ میں سرخم کئے کھڑے ہونگے۔

اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ والدین پر اولاد کے کیا حقوق ہیں کچھ بحث کیجائے جیسا کہ قارئین پڑھ چکے ہیں کہ فاطمہ کے میکہ اور سسرال میں ہر جگہ ایک اولاد پر حجد کا دُ اور دوسری اولاد سے غفلت دنا انصافی برتی جا رہی ہے۔

والدین پر اولاد کے حقوق

اولاد پر والدین کے کیا حقوق ہیں اس پر ایک مستقل کتاب ہماری شائع ہو چکی ہے اب اس وقت ہمکو غور کرنا یہ ہے کہ والدین پر اولاد کے کیا حقوق ہیں۔ یہ عام بیماری ہے جو اکثر مسلمان گھروں میں پائی جاتی ہے دوسری قوموں سے ہمیں بحث نہیں۔

والدین کو قرآن مجید میں رب صغرہ یعنی چھوٹے رب کہا گیا ہے۔ رب صغرہ اسلئے نہیں کہا گیا ہے کہ انہوں نے اولاد کو جنم دیا ہے اس نقطہ نظر سے کہا جاتا تو چھوٹے خالق کہا جاتا مگر چھوٹے خالق نہیں چھوٹے رب کہا گیا چونکہ رب کے معنی پالنے والے کے ہیں۔ ماں باپ پالتے ہیں لہذا وہ چھوٹے رب ہوئے لہذا پتہ چلا کہ جنم دینے سے زیادہ اہمیت پالنے کی ہے جسمیں لگتی ہے محنت زیادہ۔ اور سکون غارت ہوتا ہے۔ جانور بھی اولاد کو جنم دیتے اور جس حد تک پالنا اور تربیت دینا ہے دیتے ہیں لیکن انسان اشرف المخلوقات ہے لہذا اسکی ذمہ داریاں بھی اشرف و مکمل ہیں۔ اگر انسان اسلام کا فرزند بن کر پیدا ہوا ہے تو اس کا مذہب بھی اشرف ہوا اور زندگی میں اولاد کی پرورش میں بھی اسکو اشرف بن کر دکھانا ہوگا۔ اسلام کی عمارت کا بنیادی پتھر ہی انصاف اور سادگی ہے لہذا مسلمان والدین پر اولاد کے حسب ذیل ذمہ داریاں ہوئیں۔

(۱) اولاد کی پرورش کے لئے غذا جسمانی کے ساتھ ساتھ قلبی و روحانی غذا بھی انہیں مہیا کریں جس سے کردار کی پختگی نصیب ہوگی جیسا کہ علامہ اقبال کو مسلمان قوم سے شکوہ ہے کہ۔

قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے متاعِ کردار

(۲) توحید کا تصور صحیح انداز سے ذہن نشین کریں اور شرک کی لعنت سے بچائیں، ذات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی محبت کا سبق دینے کے بجائے عملی طور پر "وفا محمدؐ" سے آشنا کیا جائے اور دکھا دے کے مسلمان بن کر۔ یعنی "کہتے تو ہم ہیں مسلمان رسولِ عربی" کے مصداق جب خود ماں باپ ہوں تو بچوں کو کیا اسلام کا فرزند و اسلام کی دختر بنا سکیں گے۔

(۳) دینی تعلیم کے ساتھ دینوی ضروری تعلیم بھی اولاد کو دی جائے مگر ایسی دینوی تعلیم نہیں جیسا کہ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں۔

جب پیر فلک نے ورق ایام کا الٹا ؛ آئی یہ صدا پاؤگے تعلیم سے اعزاز
آیا ہے مگر اس سے عقیدوں میں تزلزل ؛ دنیا تو ملی طائر دین کر گیا پرواز
دیں تو مقاصد میں بھی پیدا ہو بلندی ؛ فطرت ہے جوانوں کی زمیں گیر زمیں تاز
مذہب سے ہم آہنگی افراد ہے باقی ؛ دیں زخمہ ہے تو جمعیت ہے اگر ساز
بنیاد لرز جائے جو دیوار چمن کی ؛ ظاہر ہے کہ انجام گلستاں کا ہے آغاز

(۴) ماں باپ کا چوتھا اہم فرض اولاد کے ساتھ انصاف ہے کہ سب کو تعلیم لباس اور ضروریات اور تیمارداری پر ایک ہی انداز سے روپیہ خرچ کریں اور ایک ہی قسم کا کھانا اور لباس مہیا کریں۔ یہ نہیں کہ اولاد اکبر کو بھاری ملبوسات کہ وہ کما کر جلد لاکر دینے والے ہیں اور چھوٹی اولاد کو معمولی نوکروں کے سے کپڑے کہ ابھی ان کو کما کر دینے میں دیر ہے۔ دسترخوان پر سب اولاد بیٹھی ہے۔ بڑی اولاد کو زیادہ سالن اور گوشت کی بوٹیاں اور چھوٹی اولاد کو برائے نام سالن اور ایک آدھ بوٹی۔ اگر ماں کا یہ حال ہو اور باپ کے سوچنے اور عمل کرنے کا یہ معیار ہو تو قدرت ان سے زندگی میں بھی انتقام لے گی اور روز قیامت بھی وہ مستحق سزا ہونگے۔ ان کی جو امیدیں چاہنے والی اولاد سے وہ وابستہ کئے ہوئے ہیں اور دوسری اولاد کے ساتھ ناانصافی کرکے تو ایسی امیدیں ایک طرف تو ان سے پوری ہی نہ ہوں گی دوسرے عذاب الٰہی کا وہ شکار بن جائیں گے۔ ایسے امیدوں اور والدین کے بارے میں علامہ کہتے ہیں۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی ؛ مجھے بتا تو سہی اور کافری کیا ہے؟
فلک نے ان کو عطا کی ہے خواجگی کہ جنہیں ؛ خبر نہیں روش بندہ پروری کیا ہے؟

ایسی غلط امیدوں پر زندگی گزاری جائے اور ناانصافی سے کام لیا جائے تو اس کا انجام بھی علامہ اقبال سمجھا رہے ہیں۔

الٹ جائیں گی تدبیریں بدل جائیگی تقدیریں ؛ حقیقت ہے نہیں میرے تخیل کی یہ خلاقی!

چنانچہ قارئین پڑھ آئے اور آگے پڑھیں گے کہ فاطمہ کے سسرال اور میکہ میں جس اولاد کو چاہا گیا وہی اولاد ماں باپ کے لئے باعث عذاب بن گئی۔

(۵) ماں باپ کی اہم ذمہ داری یہ بھی ہے کہ لڑکیوں کی شادی میں وقت مناسب پر عجلت کریں اور یکساں روپیہ سب پر خرچ کیا جائے یہ نہیں کہ ایک پر جذبہ محبت کے تحت تمام روپیہ خرچ کر دیا جائے دوسرے کو حالات کے دھارے پر چھوڑ دیا جائے۔

(۶) باپ اور خصوصاً ماں پر لازم ہے کہ وہ گھر کا ماحول پاک وصاف رکھیں اور غیبت ایک اولاد کی دوسری اولاد کے سامنے کر کے ایک کو دوسرے کی نظر سے نہ گرایا جائے، باری باری سے ہر اولاد کی غیبت دوسری اولاد کے سامنے کرنے سے یہ چیز خانہ بربادی اور آپس میں نفاق کا سبب بن جاتی ہے۔

(۷) شرک کے خیالات اور سماج کے غلط رسومات فضول خرچی سے بچا کر اولاد کو سادہ زندگی بسر کرنے کا عادی بنایا جائے اور اسراف کو گناہ بنایا جائے۔ اسلام کی سادہ زندگی کو ختم کر کے حقیقت تو یہ ہے کہ مسلمان قوم مائل بہ زوال ہوگئی جبکہ اس نے ہندوؤں کے رسم ورواج اختیار کئے۔ اسلام کی سادہ زندگی کے بارے میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

کچھ بتا اس سیدھی سادی زندگی کا ماجرا　　داغ جس پر غازۂ رنگ تکلف کا نہ تھا
ہاں دکھا دے اے تصور پھر وہ صبح وشام تو　　دوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تو

قارئین اس نقطہ کو ذہن نشین رکھیں کہ فاطمہ کے بھائی جیلانی کے ساتھ ماں باپ نے جو سلوک کیا جس کا ذکر کیا گیا۔ یہی فرزند دوم جیلانی خاندان کی آبرو اور ماں باپ کی عزت بچانے کا اپنی زندگی کی عظیم قربانیاں دے کر سبب بن جاتا ہے جبکہ خاندان محکومی اور بے بسی مظلومی کا شکار ہو جاتا ہے اسلئے علامہ اقبال ایسے خاندانوں اور قوم کے بارے میں فرماتے ہیں۔

اس کی تقدیر میں محکومی و مظلومی ہے
قوم جو کر نہ سکی اپنی خودی سے انصاف

باب سوم

(۱) میرے فتنے جامہ عقل و خرد کا تار و پو ! (علامہ اقبال)

زمانہ وقت کے پر لگا کر اڑتا رہا ۔ چند اور سال گزر گئے ۔ اب فاطمہ جو پہلے ایک فر
ابراہیم کی ماں بن چکی تھی اب ایک اور مزید فرزند عابد کی ماں بن کر اس نے فتنہ کا ایسا تقو
کیا تھا جو اپنی آپ نظیر تھا ۔ ابراہیم کی ماں بن کر اس نے بہ دانستِ خویش اپنے آپ کو حضرت ا
سمجھ رکھا تھا اور ساس (خسر) اور سسرال کو حضرت اسمٰعیل جان کر اپنی دانست (خواب دخیال کی بنا
ذبح کر دینا ضروری سمجھ لیا تھا ــــ اب اس کے دن رات کے فتنے منظر عام پر آ چکے تھے ۔ حد یہ
تھی کہ ایک گھر میں رہتے ہوئے وہ اپنے بچوں کو دادا دادی سے ملنے تک نہ دیتی تھی ــ دادا
ان کو دیکھنے ترستے ۔ فاطمہ جو کسی سے نہ ڈرتی تھی مگر چھپکلی کو دیکھتے ہی اس کی روح کانپ جاتی
تھی ، مگر خود چھپکلی کی صورت اور بڑی بڑی آنکھیں رکھنے والی فاطمہ جب کبھی اس کے بچے
دادی کا نام لیتے ، وہ انہیں چھپکلی کی طرح بڑی بڑی آنکھیں نکال کر گھور گھور کر ڈرا دیتی تھی
خدا کا کہ جب اسکو حمام کرنے غسل خانہ جانا ہوتا تو وہ اپنے بچوں کو کمرے میں بند کر کے قفل لگا
جاتی تاکہ بچے دادا دادی سے جا کر نہ مل لیں ــ بہر حال ہمہ وقت وہ اپنے سفلی جذبات کی تکمیل
میں لگی رہتی ــ اس نے اپنے شوہر سے سسرال میں رہنے کے بارے میں کہدیا کہ

اب یہاں میری گذر ممکن نہیں ممکن نہیں ؎ کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کاخ و کو (داغ)

توڑے اور توڑم توڑی

فاطمہ کی ساس بھائی کی بیٹی کو بڑی چاؤ سے بیاہ کر لا
کر کفِ افسوس مل رہی تھی ۔ اس کے شوہر اس پر خفا
ہو رہے تھے کہ تم نے بھائی کی بیٹی کو لا کر گھر کا سکون برباد کر ڈالا ــ خسر آپے سے باہر ہو رہے
انہوں نے اپنے چڑھائے ہوئے سونے کے توڑے بہو سے کسی کام کا بہانہ بنا کر طلب کئے ۔ بہو نے
توڑے دینے میں رکتے ہوئے یہ کہتے ہوئے کہ وہ میکہ میں ہیں ' ابھی جا کر لاتی ہوں ' توڑے لئے
ماں باپ کے گھر پہنچی اور توڑے باپ کے حوالے کر دیئے ۔ اس کی حقیقی ماں نے جب اس کی فتنہ انگیز
تقریر سنی تو برہم ہوگئیں وہ شادی کی تاریخ سے اسکی فتنہ انگیزیوں سے اب بیزار ہو چکی تھیں

اس نے کہا " ہمیں اور بھی لڑکیاں ہیں ان کی طرف بھی دیکھنا ہے' تو نے تاریخ شادی سے سسرال اور ہمارا سکون برباد کر رکھا ہے"۔ تو نے خسر کے طلب کرنے پر توڑے دیئے کیوں نہیں؟ یہہ اُن ہی کے چڑھائے ہوئے ہیں' یہہ توڑے تیرے کام آئیں گے یا اُن کی دعائیں بھی کوئی چیز ہیں؟ ۔ تیری اِن حرکتوں سے ہماری آبرو جارہی ہے ۔ ماں کی نصیحت کا فاطمہ پر کوئی اثر نہ ہوا وہ اب باپ کے قدموں پر گر کر رونے لگی ۔ روتے روتے فرضی داستانِ مصیبت سنانے لگی۔ باپ کا دل بھر آیا' سینے سے لگالیا ۔ کہا' بیٹی میری زندگی تک گھبرانے کی ضرورت نہیں اور توڑے لیکر بحفاظت رکھ دیئے۔ ماں کا پارہ چڑھ چکا تھا - اس نے بیٹی سے کہا کمبخت! تیرے باپ نے میرا جہیز میں دیا اس قدر زیور بیچ دیا میں نے اُف بھی نہ کی اور تو ان ہی کے لائے ہوئے توڑے دینے سے انکار کر آئی جبکہ برسوں سے وہ تجھے تیرے بیروزگار شوہر اور بچوں کی کفالت کرتے آرہے ہیں۔ اے بدنصیب ۔۔۔

کھودیئے انکار سے تو نے مقاماتِ بلند ! (اقبالؔ)

ماں نے باپ بیٹی سے مخاطب ہوکر کہا توڑے ان کے طلب کرنے پر دیدو ورنہ یہہ توڑے توڑم توڑی کروادینگے مگر فاطمہ پر کوئی اثر ہی نہ ہوا" بقول علامہ اقبالؔ ۔ :

نہیں ہے نا امید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے ؛ ذرا نم ہو تو یہہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

مگر فاطمہ کی مٹی میں نمی کا نام ہی نہ تھا وہ درحقیقت کشتِ ویراں تھی ۔

فاطمہ بہرحال توڑے باپ کے پاس رکھا کر سسرال واپس ہوگئی اور خسر سے کہدیا کہ وہاں سب مہمان گئے ہیں پھر کبھی جاکر لائیں گی۔ فاطمہ کی ساس فاطمہ کے والد کو باپ کی جگہ سمجھتی تھی۔ اس کے شوہر کا دباؤ اس پر بڑھ رہا تھا ۔ آخر ایک دن آیا کہ بھائی بہن کی تکرار کی نوبت آگئی' بہن نے بھائی سے کہا " میں آپ کو اپنا بڑا بھائی نہیں بلکہ باپ سمجھتی رہی ـــــ بھائی نے پوچھا ـــــ اب تو نہیں سمجھتی ہونا ـــ ؟ بہن نے حقارت سے منہ موڑلیا۔

فاطمہ اپنے فتنہ انگیزیوں پر مسکرا رہی تھیں گویا اس کی مسکراہٹ علامہ اقبالؔ کے اس شعر کی تفسیر تھی۔

ہے مری جرأت سے مُشتِ خاک میں ذوقِ نمو

مرے فتنے جامۂ عقل و خرد کا تار و پو !

---

(۲) خضر بھی بے دست و پا الیاس بھی بے دست و پا

اقدام خودکشی

فاطمہ کے شوہر بھی روز کی کشمکش سے تنگ آچکے تھے۔ ا
طرف بیوی تھی تو دوسرے طرف ماں باپ ـــــ ایک
ہمت کر کے بیوی کو سمجھانے کی کوشش کی۔ فاطمہ نے برتن توڑنے شروع کردیئے، زبان بھی لو
چھوڑنے لگی۔ شوہر نے ناقابلِ برداشت کیفیت میں آکر ایک ہلکا سا طمانچہ گال پر رسید کیا۔
غضب ہوگیا۔ فاطمہ نے شوہر ساس اور خسر کو چیلنج کردیا کہ اگر وہ انہیں حوالات اور جیل بھجوا نہ
تو اپنے باپ کی بیٹی نہیں اس کا نام بدل دینا۔ اس قدر بڑے چیلنج کو شوہر، ساس، اور خسر
ایک جذباتی دھمکی سمجھا۔ خاموش ہو رہے۔ نصف گھنٹہ بھی نہ گذر پایا تھا کہ فاطمہ کے منہ سے کا
جاری ہوگیا۔ جس میں ہمہ اقسام کے رنگ اور زیادہ عمدہ رنگ شامل تھا۔ بڑی مشکل سے پتہ چلا
کپڑے رنگنے کے جس قدر رنگ مرتبانوں میں رکھکر باپ نے ایک صندوقچہ بنواکر بیٹی کو جہیز میں د
تھے، اب بیٹی نے اس کا صحیح استعمال کیا اور سب نوشِ جاں فرمائیں کہ پولیس میں شوہر ساس
اور خسر کے خلاف بیان دیکر سب کو حوالات و جیل کے حوالے کر سکیں۔ اور جیل میں شوہر ساس
اور خسر کو چکی پیستے ہوئے دیکھکر اس کی روح خوش اور باغ باغ ہو سکے۔ فاطمہ کی حالت
غیر ہونے لگی۔ فاطمہ کی ساس درحقیقت کانپ رہی تھی۔ اس کے آنکھوں میں آنسو تھے اور تصو
میں بہو کا دیا ہوا الٹی میٹم اور جیل کی سلاخیں۔ خسر کے چہرے پر ہوائیں تو ضرور تھیں، غم و
کے بادل دماغ پر منڈلا تو ضرور رہے تھے لیکن غصہ بھی چہرے سے نمایاں تھا۔ وہ مستقل مزاجی
سہارا لئے بیوی کو سمجھا رہے تھے پریشان نہ ہوں۔ خدا سب ٹھیک کردیگا۔ انہیں اپنے رسوخ او
اثرات پر زعم تھا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ ہمیں پہلے بہو کی جان بچانے کی کوشش کرنی چاہیئے پھر ز
جانے پر اقدام خودکشی کے دفعہ کے تحت پولیس سے مقدمہ عدالت میں دائر کروانا چاہیئے۔ پھوپی اب
بھی کہہ رہی تھی کہ میرے بھائی کی بچی پر آپ مقدمہ نہیں چلا سکتے۔ شوہر نے کہا یہ بحث کا وقت
نہیں۔ نورا گھر کی موٹر میں دواخانہ لے گئے اور میکہ کو زہر کھانے اور دواخانہ عثمانیہ لیجانے کی اطلاع
دے دی گئی۔ ماں بیچاری بدحواس ہو چکی تھی اس کے خون کا دباؤ بڑھ گیا وہ بستر پر دراز ہوگئی
ضعیف باپ کے چہرہ کا رنگ زرد اور آنسو بہہ کر ریش مبارک کو تر کرنے لگے۔ رعشہ تو تھا ہی اور
بڑھ گیا۔ آخر فرزند دوم جیلانی نے سنبھالا اور موٹر لاکر دواخانہ عثمانیہ پہنچے۔ اس تک پیٹ دھو دیا

جا چکا تھا۔ آخر پولیس آ گئی۔ فاطمہ کا بیان لینے کی بہت کوشش کی مگر فاطمہ کے خسر نے اثرات سے پولیس کو بیان لینے سے باز رکھا۔ خود فاطمہ کے نیک دل و دلی صفت باپ نے جو منصف مجسٹریٹ بھی تھے پولیس کو بیان لینے نہ دیا اور اتفاقی غلط فہمی کی بناء پر دوا سمجھکر کھالینا بتلایا۔ وہ کسی طرح اپنے بہن بہنوائی کے خلاف کوئی کاروائی کے لئے تیار نہ تھے۔ بہر حال چونکہ فاطمہ کو مزید گناہوں کی انجام دہی اور فتنے چلانے عمر درکار تھی لہذا وہ اچھی ہو گئی اور دوا خانہ سے باپ نے اپنے گھر چند یوم کے بعد لالیا۔ فاطمہ باپ پر بھی دل ہی دل میں خفا تھی کہ اس کے باپ نے اس کی تمام محنت پر پانی پھیر دیا۔ اس کے شوہر، ساس اور خسر کو جیل روانہ کرنے کی خواہش پوری نہ ہو سکی، اس نے اپنا نام بھی بدلنے کا الٹی میٹم دیا تھا۔ لوگ آپس میں سسرال میں آہستہ آہستہ باتیں کر رہے تھے کہ فاطمہ نام اور عرف محمدی بیگم ہے بدل کر کیوں نہ مفسدی بیگم رکھ دیا جائے، دوسرا کہہ رہا تھا مفسدی بیگم بھی ٹھیک رہے گا، شیطانی بیگم مناسب اور بہتر رہے گا، ساس کہہ رہی تھی "ابا وہ بہو نہیں "بائو" ہے اور فاطمہ علامہ اقبال کی زبان میں گویا کہہ رہی تھیں

خضر بھی بے دست و پا الیاس بھی بے دست و پا ۔ مرے طوفان یم بہ یم دریا بہ دریا جو بہ جو

نام تبدیل کرنے کے احکام

حضرت محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ کے واقعات میں لکھا ہے کہ آپ سنہ ۴ھ میں پیدا ہوئے اور آپ کا نام تبرکاً محمد رکھا گیا اور دربار رسالت مآب صلعم میں لاکر پیش کیا گیا حضور نے نام پوچھا، عرض کیا گیا "محمد" رکھا گیا ہے، ارشاد ہوا کنیت بھی اسکی ابوالقاسم ہوگی۔ حضرت عمرؓ کا دور خلافت آ گیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اپنی کتاب "الاصابہ" میں لکھا ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بھائی حضرت زید بن خطابؓ کے پڑپوتے کا نام بھی محمد تھا۔ کسی نے پکار کر نام لیکر انہیں برا کہا۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو زیدؓ کے پڑپوتے محمد کو بلوایا اور فرمایا کہ تمہارے نام کی وجہ سے "اسم محمدؐ" کی توہین نہیں کیجا سکتی اور نہ بے ادبی کا اس نام مبارک کو نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔ آج سے تمہارا نام محمد کے بجائے عبدالرحمٰن ہے۔ پھر احکام دربار خلافت سے جاری ہوئے کہ جس کا نام محمد ہے بدل کر دوسرا رکھا جائے کہ اس نام مبارک کی توہین اور بے ادبی نہ ہونے پائے محمد بن طلحہؓ واحد شخص تھے جو دربار خلافت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ امیرالمومنین میرے نام کی منظوری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دی ہے۔ حضرت فاروقؓ اعظم کا ارشاد ہوا اس منظوری کے بعد میں کون ہوتا ہوں تمہارے نام کو بدلنے والا۔ بقیہ کے نام

بدل دینے کا حکم فرمایا۔
مندرجہ بالا احکام دربار خلافت سے امیر المومنین فاروق اعظمؓ سے صادر ہونے کے بعد
اگر فاطمہ نام جو خاتون جنتؓ دختر رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اور محمدیؐ نام کی نسبت
اصل نام رسول پاکؐ ہے بدل کر آئندہ سے ہم مقصدی بیگم پکاریں تو یہ فاروق اعظم کے حکم کی تعمیل

(۳) اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی (علامہ اقبالؒ)

باپ کو فاطمہ نے سود کی لعنت میں پھنسا دیا

فاطمہ کے شوہر ابھی تک بیروزگار تھے

اب مقصدی بیگم ساس خسر کے پاس کھانا چاہتے تھے نہ رہنا۔ علحدہ ہانڈی چولھے کے لئے مستقل
آمدنی کی ضرورت تھی۔ منصف مجسٹریٹ صاحب مال اور اولاد کے بارے میں ہمیشہ کہا کرتے تھے
اللہ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے کہ مال اور اولاد فتنہ ہے وہ اب اپنی بیٹی کے فتنہ میں آ گئے
اور اس قول کو بھول گئے۔ بیٹی سے کہا " رہنا تو تجھے سسرال میں ہوگا البتہ تو پکوان علحدہ کرلے
اولاً سونے کے تو ڑے بیچ کر ایک مکان رہن کا لیا کہ اس کے کرایہ سے بیٹی گزر اوقات کر سکے
اور اس آمدنی کو بھی کافی نہ جان کر جہیز میں دیا ہوا زیور کا ایک حصہ بھی فروخت کر کے ایک اور رہن کا
مکان لیا کہ اس کا بھی کرایہ آ کر کفالت کر سکے۔ عالم خاندان کے سپوت اور بہ ذات خود عالم منصف
مجسٹریٹ صاحب بیٹی کی محبت میں یہ بھی بھول گئے کہ کرایہ کا شمار بالکلیہ صاف اور صریح سود ہے
عمر تمام رشوت سے پرہیز کرنے والے عالم مجسٹریٹ صاحب بیٹی کی خاطر سود کے کاروبار میں پھنس
گئے جبکہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سود کھانے والا سود کی دستاویز لکھنے والا حتیٰ کہ سامنے
رہنے والا سب برابر کے گنہگار ہیں۔ ایسے ہی موقع پر علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

جانتا ہوں یہ امت حامل قرآں نہیں ؎ ہے وہی سرمایہ بندہ مومن کا دین
جانتا ہوں کہ مشرق کی اندھیری رات میں ؎ بے ید بیضا ہے پیران حرم کی آستیں

مقصدی بیگم کا جسم جب تک باپ کے گھر میں قبل شادی تھا حلال کی کمائی سے پرورش
پا رہا تھا اور بعد شادی حلال اور حرام دونوں روپیہ یعنی روپیہ رشوت جس کے بارے میں رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " رشوت لینے اور دینے والے دونوں پر لعنت ہے"۔ گویا بعد شادی
لعنت کے روپیہ میں جسم پرورش پا رہا اور اب تو کس غلاظت کے روپیہ سے جسم پرورش پا رہا تھا

اس کی تصدیق اس حدیث شریف سے ہوگی کہ عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک عورت حاضر دربار نبوت ہوئی اور کہا کہ میں نے عہد جاہلیت میں منت کی تھی کہ اگر مجھے بچہ ہوگا تو اس کا پاخانہ کھاؤں گی۔ اللہ نے مجھے بچہ دے دیا لیکن اب اس منت کو پورا کرنا مجھ سے ممکن نہیں ہو رہا ہے۔ ارشاد رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہوا تو اپنی منت پوری کر۔ اپنے گھر کا کھانا ایک سود خور کے گھر کی " اولتی " کے نیچے بیٹھ کر کھا لے نجاست پاخانہ بول دبراز کھانے کے مساوی ہو جائے گا۔ اب مغدی بیگم ان کے سید زادے شوہر اور بچوں کا گذارہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کی روشنی میں نجاست وغلاظت پر ہو رہا تھا۔ علامہ شاعر مشرق فرماتے ہیں۔

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی ؛ جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

آخر ایک وقت آیا کرایہ آنا بند ہوگیا مقدمہ جات دائر ہوئے وہ مکان جو مجسٹریٹ کے جہیز کے دیئے ہوئے زیورات کو فروخت کرکے ایک وکیل سجاد علی سے رہن لیا گیا تھا۔ اجلاس سوم عدالت دیوانی بلدہ میں کامیاب رہا۔ سجاد علی نے اپیل اجلاس اول پر کی وہاں بھی یہ مقدمہ کامیاب رہا۔ سجاد علی وکیل نے ہائیکورٹ میں اپیل کی منصف مجسٹریٹ کا انتقال ہو چکا اس کے فرزند دوم جیلانی نے پیروی کی اور جب مقدمہ بغرض سماعت اجلاس پر آیا اجمیر ہائیکورٹ کی ایک نظیر جو حال میں بنی تھی سجاد علی وکیل نے پیش کی کہ کاروبار رہن دراصل سود ہیں اس کے لئے رہن لینے والے کو سود کے لینے دینے کا لائیسنس (LICENCE) حکومت سے باضابطہ لینا چاہئیے اس کے بغیر کوئی مقدمہ قابل پیش رفت نہیں ہو سکتا۔ تمام محنت برباد ہوگئی آٹھ ہزار کرایہ (سود) باقی تھا اس کا تو سوال ہی گیا تھا اصل تین ہزار خطرے میں پڑ گئے۔ آخر مجسٹریٹ صاحب کے فرزند دوم نے سجاد علی سے چند وکلاء کو درمیان میں ڈال کر صلح نامہ کروادیا جس کی رو سے اصل تین ہزار واپس مدعیہ مغدی بیگم کو مل گئے۔ وہ مقدمہ جو توڑے فروخت کرکے مکان رہن نہیں لیا گیا تھا سرسبز بھی نہ ہو سکا۔ قابل غور امر یہ ہے کہ وہ مکان جو منصف مجسٹریٹ صاحب کے جہیز میں دیئے ہوئے زیور فروخت کرکے رہن لیا گیا تھا حلال کی کمائی سے زیور خریدے گئے تھے لہذا روپیہ اصل مل گیا۔ توڑے جو فروخت کرکے مکان رہن لیا گیا تھا اس کے دو وجوہ سامنے آتے ہیں کہ اولاً توڑے خود رشوت کی کمائی سے خریدے گئے تھے پھر ساس اور خسر کی بددعائیں علٰحدہ ساتھ تھیں وہ روپیہ سود مع اصل کے ڈوب گیا۔ انسان اگر غور کرے تو معلوم ہوتا ہے کہ قدرت ایک دن آتا ہے کہ ایسے فیصلے کردیتی ہے کہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی ہو کر سامنے آجاتا ہے مگر اسکو سمجھنے کے لئے چشم بصیرت

اور دیدہ عبرت نگاہ درکار ہوتا ہے۔ مگر جب مسلمان صرف برائے نام مسلمان ہو اور ایمان کی گرمی سے محروم تو یہ راز اس پر فاش کہاں سے ہو سکتے ہیں۔ بقول شاعر مشرق

مصلحتاً کہدیا میں نے مسلماں تجھے ؛ تیرے نفس میں نہیں گرمی یوم النشور

باب چہارم

(۱) خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی (علامہ اقبال)

بہرحال اب مقدری بیگم اپنا پکوان نیک اور مقدس روپیہ سے علحدہ کر کے سسرال میں مقیم اور خوش تھی۔ جب کبھی میکہ آتی مسکراتی آتی مگر جاتے وقت اس کا پارہ چڑھا ہوا ہوتا۔ صرف باپ کے پاؤں کو ہاتھ لگا کر آنکھوں پر لے لیتی دوسرے بڑوں کو سلام کیا کرتی صورت بُری بنا کر منہ پھلا کر گویا سر پر سے مکھی اڑاتی۔ معصوم بھائی بہن محبت اور ادب سے اسے سلام کرتے تو منہ پھلائی صرف آنکھیں نکال کر گھور کر دیکھ لیتی۔ خود اسکی حقیقی ماں اس پر بیحد خفا تھی۔ وہ اسکی فتنہ انگیزیوں سے بیحد بیزار ہو چکی تھی اور توڑے نہ دینے، زہر کھانے، زیورات بیچ کر مکانات رہن کے لیکر اس سود کی کمائی سے علحدہ زندگی گزارنا سب باتیں انہیں ناپسند تھیں۔ وہ بیٹی کو ہمیشہ سمجھاتی کہ باپ کے ناز اٹھانے کی عادت نے تجھے تباہ کر ڈالا۔ اے بیوقوف۔

اس گلستاں میں نہیں حد سے گزرنا اچھا ؛ ناز بھی کر تو باندازۂ رعنائی کر (اقبال)

جب مقدری بیگم کا ذکر آتا ماں غصہ سے بھر جاتی اور کہتی "حرام زادی پٹی" سمجھتی ہے کہ وہ ہماری واحد اولاد ہے، ہمیں اور اولادوں کی طرف بھی تو دیکھنا ہے۔ یہ پٹی تو ہمارے لئے رسوائی بن گئی ہے۔

بادشاہ سلامت اب سیکل سوار

مقدری بیگم نے اب اپنے کو سلامی میں ملی ہوئی نقردی اشیاء بڑی بے دردی سے فروخت کروا کے اپنے شوہر بادشاہ سلامت کو سیکل دلوادی کہ اب وہ ماں باپ کی بگھی یا موٹر استعمال نہ کریں اور اپنی ذاتی سواری استعمال کر کے اپنی خودی کا تحفظ کریں۔

بادشاہ سلامت ملازمت تحصیلداری پر

اب ساس اور خسر نے ان حرکات کو دیکھکر بڑے ظرف سے کام لیا

اور فیصلہ کرلیا کہ بہو کے ساتھ بیٹے سے بھی ہاتھ دھولینا اور بیٹے کو بہو کے حوالے کردینا ہی عزت بچانے اور دردسر دور کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ اس کے لئے انہوں نے فیصلہ کیا کہ بیٹے کے لئے ایسی ملازمت تلاش کرنی چاہیئے کہ وہ اور بیوی اضلاع کی ہوجائیں اور وہ وہاں خوش رہیں اور ہمیں یہاں سکون نصیب ہو۔ بادشاہ سلامت تو میٹرک پاس نہ تھے لیکن ان کے والد کے اثرات محکمہ مال میں زبردست تھے اسلئے بیٹے کو تحصیلداری کے امتحان میں بٹھاکر اثرات ہی اثرات کے زور پر کامیاب کروالیا۔ پھر پائیگاہ آسمانجاہی میں نواب معین الدولہ کی بارگاہ میں نذرانہ اور معروضہ پیش کرکے احکام تحصیلداری پائیگاہ منعرعلاقہ شمس آباد کے لئے حاصل کرلئے۔ اب داماد کو کام سکھانے منصف مجسٹریٹ صاحب کوان کے مستقر جانا پڑا۔ جس خاندان کا ہم ذکر کررہے ہیں وہ جنوبی ہند کی ایک ریاست آصفجاہی کے متمکن خاندان ہیں۔ لہذا مناسب ہوگا کہ ایک نظر اس وقت کے سیاسی حالات پر ڈالی جائے تاکہ معلوم ہو کہ یہ پائیگاہ کیا ہے جہاں نان میٹرک کو تحصیلداری مل گئی۔

(۲) ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے (علامہ اقبال)

سلطنت آصفجاہی پر ایک نظر

حکومت مغلیہ اپنے کرتوت سے زوال پذیر ہونے کے بعد ہندستان پر انگریز حاکم اور مسلمان محکوم تھے۔ ہندوستان میں پانچ سو (۵۰۰) ریاستیں تھیں جو انگریزوں کے زیراثر نیم خودمختار حیثیت سے اپنے آپ میں مگن تھیں، لیکن ان میں سب سے بڑی واحد ریاست سلطنت آصفجاہی تھی جس میں سکہ، ٹپہ، ریلوے تک علحدہ تھے۔ حیدرآباد اس کا پایہ تخت تھا۔ اس ریاست کے بانی قمرالدین آصفجاہ اول تھے جو یہاں کے صوبہ دار تھے۔ مغلیہ خاندان کو نیست نابود ہوتا دیکھکر ۱۷۲۶ء میں اعلان خودمختاری کیا تھا گویا یہ سلطنت مغلیہ سلطنت کی ایک یادگار اور نشانی سمجھی جاتی تھی ـــ اعلان خودمختاری کے وقت اس سلطنت کے حدود کافی وسیع تھے لیکن ان کے نااہل جانشینوں سے انگریزوں نے کافی اضلاع ازراہ محبت انہیں کمزور دیکھکر چھین کر اپنی حکومت میں شامل کرلئے اور خوش کرنے انہیں "یار وفادار سلطنت برطانیہ" کا خطاب دے ڈالا۔ یہ سلطنت نیم خودمختار انگریزوں کے زبردست آہنی پنجہ میں رہ کر اندرونی معاملات میں آزاد تھی اور چار حسب ذیل صوبوں پر حسب ذیل سولہ اضلاع پر مشتمل تھیں۔

(۱) صوبہ اورنگ آباد جس کے اضلاع (۱) اورنگ آباد (۲) پربھنی (۳) بیڑ (۴) ناندیڑ تھے
یکم نومبر ۱۹۵۶ء کو یہ اضلاع مرہٹواڑہ اسٹیٹ بمبئی میں ضم کئے گئے۔
(۲) صوبہ گلبرگہ جس کے اضلاع (۱) گلبرگہ (۲) رائچور (۳) عثمان آباد (۴) بیدر تھے۔
یکم نومبر ۱۹۵۶ء کو یہ اضلاع کرناٹک اسٹیٹ میسور میں ضم کئے گئے۔
(۳) صوبہ میدک جس کے اضلاع (۱) میدک (۲) نظام آباد (۳) محبوب نگر (۴) نلگنڈہ تھے
(۴) صوبہ ورنگل جس کے اضلاع (۱) ورنگل (۲) کریم نگر (۳) عادل آباد تھے۔ ریاست کا ضلع حیدرآباد پایہ تخت تھا ۳ و ۴ یہ دونوں صوبوں کے سات (۷) اضلاع اور پایہ تخت حیدرآباد

یکم نومبر ۱۹۵۶ء کو آندھرا میں ضم ہو کر آندھرا پردیش کا نام دیا گیا۔ نظام کی ریاست جس کا خاتمہ ۱۹۴۸ء ذریعہ پولیس ایکشن ہوا تھا اب اس ریاست کا نقشہ تک بدل دیا گیا۔
جن خاندانوں کی داستان اب تک ہم بیان کر چکے ہیں یہ حکومت آصفجاہی کے آخری فرمانروا میر عثمان علی خان کے دور حکومت سے وابستہ ہے جنہوں نے اپنی ایک غزل میں عالم جذبہ میں آ کر کہا تھا۔

سلاطین سلف سب ہو گئے نذر اجل عثمانؔ ؎ مسلمانوں کا تری سلطنت سے ہے نشاں باقی

اس کا جواب ایک مرد مجاہد قائد ملت نواب بہادر یار جنگ جادو بیاں خطیب نے ایک جلسہ عام میں دوران تقریر مصرع ثانی کی یوں ترمیم کر کے دیا تھا کہ۔"

"مسلمانوں سے تری سلطنت کا ہے نشاں باقی"

وقت گزر گیا حقیقت سامنے آ گئی کہ میر عثمان علی خان کی زندگی ہی میں ان کے ہاتھ سے سلطنت جاتی رہی مگر مسلمان مر نہیں گیا۔ آج بھی باقی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ مسلمان جب بھی زوال پذیر تھا اور آج بھی زوال پذیر ہے۔ حکومت آصفجاہی ختم ہونے کے اسباب یوں تو بہت طویل ہیں مگر یہاں اس قدر کہا جا سکتا ہے کہ اسمیں شاہان آصفجاہی اور خود میر عثمان علی خان کی آخری عمر کی بے راہ روی اور مسلمانوں کے اپنے اعمال جو وہ عالم بیخودی میں مذہب سے دور ہو کر کر رہے تھے بڑا دخل تھا۔ جس نے قہر خداوندی کو جنبش دی۔ بقول شاعر مشرق۔

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے ؎ کبھی کرتی نہیں ملت کے گناہوں کو معاف

آصفجاہی حکومت صرف دیکھنے اور کہنے کو اسلامی حکومت تھی اگر اس دور میں کوئی خوبی

تھی تو بس ایک ہی کہ مسلمان، ہندو آپس میں محبت سے رہتے تھے۔ افسوسناک بات یہ تھی کہ مسلمان خود مسلمان سے ٹکراتے اور حسد کرتے اور لغویات اور آرام طلبی کے دلدادہ بن گئے تھے۔ آصفجاہی حکومت کا سالانہ بجٹ ریاست کا (۲۴) کروڑ روپے تھا جن میں سے چودہ[14] کروڑ کی آمدنی محکمہ آبکاری یعنی سیندھی شراب افیون اور نشہ کی اشیاء سے ہوتی تھی۔ سود کے کاروبار زوروں پر تھے علاوہ مارواڑی ساہوکاروں جو چوٹی کے تھے عرب اور پٹھان بھی سود پر روپیہ چلانے لگے تھے۔ سود کے کاروبار چلانے اس اسلامی حکومت میں لائیسنس منجانب حکومت دیا جاتا تھا۔ اور عدالتیں سود کو جائز قرار دیکر سود دلاتی تھیں۔ احکام شریعت میں ہر طرح کی مداخلت ہوتی تھی شراب سیندھی پینے کی عام اجازت، چوری کرنے پر سزا شرعی کو ایک تحت منسوخ کر دیا گیا تھا اور سزا قید کافی سمجھی گئی تھی۔ قتل کے مقدمات میں از روئے شریعت قاتل کو سزا قتل کی دی جاتی تھی لیکن حکمران وقت میر عثمان علی خان نے آخری عمر میں اپنے کو اللہ اور رسول سے بھی زیادہ رحمدل ثابت کرنے اللہ اور رسول کے احکام میں تبدیلی کو ضروری سمجھ لیا تھا۔ جب ہائیکورٹ سے قاتل کو سزا موت صادر ہوتی اور بغرض توثیق مثل فرمانروا کے پاس پیش ہوتی تو اپنے کو مقتدر اعلیٰ سمجھکر قاتل کے لئے بجائے سزائے موت کی توثیق کرنے کے اس سزا کو سزا حبسِ دوام یعنی عمر بھر کی قید میں تبدیل کر کے شریعت محمدیؐ میں تبدیلی کو اپنے اقتدار اور رحمدلی سے حکمران وقت تعبیر کرتا اور شریعت میں تبدیلی کر کے مداخلت کا مجرم بنتا۔ ایمانی جذبہ کسی شعبہ میں کسی فرد میں کارفرما نظر نہ آتا تھا۔ مذہب سے دوری صدیوں پرانی ہو چکی تھی۔ سیندھی و شراب کے میخانے تو کھلے تھے، شریعت کے میخانے بند ہو چکے تھے چنانچہ حضرت اقبالؔ اللہ تعالیٰ سے دعا فرماتے ہیں۔

تین سو سال سے ہیں ہند کے میخانے بند ؎ اب مناسب ہے ترا فیض ہو عام اے ساقی

چند نیک ہستیاں تو ضرور ہوں گی۔ بظاہر نہ ہونے کے مساوی تھیں۔ عام طور پہ دکھاوا ہی دکھاوا تھا، علماء داڑھیاں اور عمامے اور خرقۂ سالوس کے اندر نظر آتے تھے۔ اکثر علماء مفت خور حکومت سے منصب اور وظیفہ لیکر جس میں آبکاری کی رقم شامل تھی گزاراوقات فرماتے۔ غضب خدا کر کئی علماء کو لومیہ مناصب کے علاوہ مقطعے زمینات عطا کئے گئے تھے۔ ان زمینات میں تاڑ (سیندھی) کے درخت جو ہوتے وہ حکومت کے زیر نگرانی رہتے اور سالانہ فی درخت کچھ روپے کے حساب سے کئی درختوں کے سینکڑوں روپیہ انہیں ملتے جس کے وہ وقت سے پہلے بوجہ قرضداری منتظر رہتے اور اس روپیہ کو حلال سمجھکر بڑے مزے سے زندگی بسر کرتے اسلئے حضرت اقبال نے ان کے

بارے میں فرمایا ہے۔

میراث کلیسا ہوں کہ شیخاں حرم ہوں ؛ نے جدت گفتار ہے نے جدت کردار
اب حجرۂ صوفی میں وہ فقر نہیں باقی ؛ خون دل شیراں ہو جس فقر کی دستاویز

مختصر یہ کہ آصفجاہی حکومت کے مسلمانوں میں اب انتہا درجہ کی تن آسانیاں لغویات اسراف ہند کے لاتعداد رسومات کو مذہب سے زیادہ اہمیت دینے کے تباہ کن جذبات تھے۔ مسلمان ہمیشہ مارواڑی دو سودخواروں کے خونی پنجہ میں جسمیں عام آدمی سے لیکر اونچے طبقہ یعنی نواب جاگیردار تک مبتلا تھے پھنسا ہوا تھا۔ باہر سے آئے ہوئے عرب اور پٹھان تک سود خوار بن کر قوم اور مذہب کے لئے بنے ہوئے تھے۔ مسلمان قوم سنبھلنے کے بجائے تیزی سے زوال کے غار میں گری جارہی تھی۔ بلا لحاظ مذ و ملت کثیر جاگیرات بھی مقطعے یومیہ انعام معمولی منصب اگر با وجود بلا محنت ماہانہ ملا کرتا تھا قوم کی کا باعث بن رہا تھا۔ ریاست میں تقریباً ایک ہزار تو جاگیردار تھے، ریاست کی تقسیم در تقسیم حسب ذیل

(۱) علاقہ دیوانی یا خالصہ :۔ اس علاقہ کی آمدنی سے ریاست کے کاروبار چلتے تھے۔

(۲) علاقہ صرفخاص مبارک :۔ جس علاقہ کی آمدنی شاہان آصفی اور ان کے خاندان کے لئے وقف تھا اس کا رقبہ (۸۴۹۰) مربع میل تھا جو (۱۸) تعلقوں میں منقسم تھا۔

(۳) علاقہ سمستان :۔ ایسے جاگیروں کو کہا جاتا تھا جو ہندوؤں کو اہم فوجی خدمات یا بطور اخراجات مندر دیئے گئے

(۴) علاقہ جاگیرات :۔ جو کسی نہ کسی صلہ میں جاگیرات عطا کی گئی تھیں جس کی تعداد ایک ہزار کے قریب تھی۔ جاگیردار مع متعلقین عیش و عشرت اور ساہوکاروں کے قرضدار تن آسان اور نکمے بن کر زندگی بسر کر رہے تھے۔

(۵) علاقہ پائیگاہ :۔ یہ نظام کے ہمنوائی ابوالفتح شیخ جنگ کو دیا گیا (۴۱۳۴) مربع میل کا علاقہ تھا مالگذاری ۷۲ لاکھ تھی بعد میں یہ ایک پائیگاہ تین حسب ذیل پائیگاہوں میں بٹ گئی

(۱) پائیگاہ خورشید جاہی (۲) پائیگاہ آسمان جاہی۔ اس پائیگاہ سے مفسدی بیگم کے خسر اور شوہر کا تعلق تھا۔ (۳) پائیگاہ وقار الامرائی۔

کوئی آنے والے دور کا اندازہ لگانے تیار ہی نہ تھا سب کو زمانہ بقول حضرت اقبال آواز دے رہا تھا کوئی سننے تیار نہ

سلطانی جمہور کا آتا ہے زمانہ ؛ جو نقش کہن تم کو نظر آئے مٹا دو

شاہی خاندان ہو کہ جاگیردار منصبدار یومیہ دار ہر ایک لغویات کا مجسم بنا اپنے آپکو سلطان سمجھکر اقبال کے اس شعر کی تفسیر بنا ہوا تھا

خودی کو جب نظر آتی ہے قاہری اپنی ؛ یہی مقام ہے کہتے ہیں جسکو سلطانی

باب پنجم

تو سید ہاشمی کی اولاد

(علامہ اقبال)

سیدزادے کے زمانہ تحصیلداری کے افسوسناک کارنامے

اب سیدزادے تحصیلدار صاحب لاڈسگی ضلع اورنگ آباد جو پائیگاہ کا تعلقہ تھا مستقل تحصیلدار بن چکے تھے۔ پائیگاہ کی آمدنی کے لحاظ سے کئی عہدہ داروں کا تقرر نہیں کیا جا سکتا تھا اور تعلقہ جات پائیگاہ جاگیرات چونکہ سرکار عالی کے تعلقات کی نسبت چھوٹے ہوتے تھے لہذا بفضل خصوصیات کے اختیار یعنی عدالتی اختیارات بھی تحصیلدار کو دے دیئے جاتے تھے یعنی عدالت کے دیوانی محدود مالیت کے اور فوجداری کے کم سزا کے مقدمات تحصیلدار کے پاس پیش ہوتے اور بحیثیت منصف مجسٹریٹ فیصلہ صادر کرتا تھا۔ علاوہ ازیں سب رجسٹرار کا عہدہ بھی تحصیلدار کو حاصل تھا یعنی مکانات اور زمینات و جائیداد کی حد تک رجسٹری کرنا بھی اس کے ذمہ تھا۔ پولیس پائیگا کا سب انسپکٹر بھی اس کی ماتحتی میں کام کرتا یعنی تحصیلدار اس کا عہدہ دار اعلیٰ ہوتا۔ گویا پائیگاہ کا تحصیلدار چھوٹے سے تعلقہ کا بادشاہ بے تخت ہوتا۔ اب کیا تھا۔ بادشاہ درحقیقت بادشاہ بن گئے تھے تنخواہیں تحصیلدار کی بمقابلہ سرکار عالی کے تحصیلدار کے بہت کم مگر ناجائز آمدنی بہت زیادہ ہوتی تھی۔ محکمہ مال سررشتہ عدالت محکمہ رجسٹری و پولیس۔ ہر طرف سے رشوت کی نہریں بہتی ہوئیں تحصیلدار کے پیٹ کے سمندر میں آگرتی تھیں۔ اب سیدزادے تحصیلدار صاحب کا رنگ ہی اور تھا۔ کافی موٹے ہوچکے تھے توند نکل آیا تھا۔ واہ سیدزادے! شاعر مشرق نے کس قدر دکھ سے کہا ہے۔

بیچتا ہے ہاشمی ناموس دین مصطفےٰ ؛ خاک و خوں میں مل رہا ہے ترکمان سخت کوش

سیدزادے تحصیلدار کا عہد زریں

پھر تحصیلدار صاحب کا تبادلہ لاڈسانگوی سے ڈوبگنڈی ضلع بیدر شریف ہوا۔ ڈوبگنڈی بھی پائیگاہ کا تعلقہ تھا مگر لاڈسانگولی سے کافی بڑا۔ یہاں تو رشوت کی دریائیں بہتی ہوئی تحصیلدار کے پیٹ کے سمندر میں گرنے لگیں۔ توند اس قدر بڑا ہوگیا کہ دیکھنے سے ہیبت ہوتی تھی۔ تحصیلدارنی صاحبہ بھی اس قدر

موٹی ہوگئیں اور دونوں کی گردنیں اس قدر موٹی ہوگئی تھیں کہ اگر پھانسی بھی دینی پڑے
عام پھندا ناکافی ہو اور اسپیشل پھندا بنانا پڑے۔ اب تحصیلدار صاحب اور تحصیل
آپ کو زمین و آسمان، چاند و سورج کے مالک سمجھنے لگے تھے اور شیلان کی جانب سے عا
اس شعر کی تفسیر بن کر قہقہہ لگا رہے تھے۔

ہے مرے دست تصرف میں جہاں رنگ و بو　　کیا زمین کیا مہر و مہ کیا آسما

لغویات و اسراف

جہاں تحصیلدار صاحب اور تحصیلدارنی صاحبہ
رشوت کا متبرک روپیہ تغیر رونما کر رہا تھ
تغیر د اخلاق و کردار میں رونما کر رہا تھا۔ شاہ خرچی اپنے حد سے تجاوز کر چکی تھی۔ ط
اب سید زادے تحصیلدار صاحب مستقر پہ سننے لگے تھے۔ پکوان کا محکمہ اپنے شباب :
یہ نہیں کہ غربا اور مسکینوں کو کھلایا جا رہا تھا۔ تحصیلدار صاحب ہوں کہ تحصیلدارنی
مقولہ کے قائل و عامل تھے کہ "میں میرے بچے بقیہ سب لچے" کوئی سالن اب
اور بادام اور اصلی گھی کے بغیر نہ پکتا تھا۔ زید العابدین نقل نویس بہت منہ چڑھ گ
یا روہ دو پگڈی سے حیدرآباد روانہ کیا جاتا۔ شہر سے دی۔ کاجی کمپنی اور عزیزیہ کمپنی
اور تھرمس میں آئسکریم اس قدر دور فاصلہ و مسافت سے اور ان گنت لغویا
نصف سے زائد روپیہ تو زید العابدین کے جیب میں جاتا۔ گویا تحصیلدار کا یہ د
سے رتی نہ جائے پیچھے سے ہاتھی چلا جائے۔ وہ اپنی علاتی بھاوج کو جس کی مالی
باوجود اسکی درخواست کے پانچ روپیہ ماہانہ دینے کو شاید گناہ اور اسراف سمجھتے تھے۔ کپڑ
حیثرن تھا۔ پانچ چھ بچے ہو چکے۔ دو درجن کپڑے بنائے جاتے۔ تحصیلدار صاحب جب
کو گھورتے، جن جن دوکانات میں طبیعت چاہی گھس جاتے۔ ضروری غیر ضروری کپڑا
کا سامان سوٹ کیس چینی کے برتن ہوں کہ کسی قسم کے ظروف سیکڑوں روپیہ کے خرید
روپیہ برباد ہوتا رہا۔ کبھی نہ سونا خریدنے کی توفیق ہوئی نہ بچیوں کے لئے جہیز جمع کر
خریدنے کا خیال۔ تحصیلدار صاحب اپنی بیوی کو ٹک روپیہ ہاتھ میں دینے کے قائل نہ
کے جیب میں رکھتے اور مطمئن رہتے کہ وہ محفوظ ہے جب شیروانی نکال کر لٹکا دیتے اور یہ
یا خواب غفلت میں ہوتے تو تحصیلدارنی صاحبہ اطمینان سے معصوم بن کر ہاتھ صاف کر تیو
صورت بنا کر بیٹھ جاتیں۔

سیدزادے تحصیلدار کا دماغ فلک پر

تحصیلدار صاحب کے ڈوبگنڈی کا زمانہ تحصیلداری وہ زمانہ تھا

لکہ سید زادے تحصیلدار صاحب فلک پر اڑ رہے تھے ۔ والدہ اور والد کا انتقال ہو چکا تھا جائیداد
بھائیوں کے عدم اتفاق کی بناء پر ہراج ہوگئی ہر بھائی تین تین ہزار روپے لیکر خوش تھے تحصیلدار
صاحب کے پاس تو تین ہزار اب بمشکل تین ۳ دن رہ سکتے تھے ۔ ماں باپ کے گھر کا سامان تک
راج ہو کر بانٹ لیا گیا ۔

تحصیلدار صاحب بزمانہ تحصیلداری ڈوبگنڈی جب شہر چند یوم رخصت لیکر آتے تو شہر کی بڑی
سے بڑی ہوٹل مثلاً وی ۔ کا ۔ جی یا عزیزیہ میں قیام فرمانے لگے تھے ۔ نصف گھنٹہ کے لئے سسرال آتے اور
ری متانت اور شاہانہ انداز سے خورشید امن صاحبہ سے مل کر جاتے ۔ کھانا کھانے کا تو سوال
کیا تھا ۔ چائے بھی پیش کیجاتی تو اسے دیکھ کر صورت جلا کر کہتے ۔ عزیزیہ ہوٹل اور وی کا جی
ٹل وغیرہ وغیرہ کے کھانے اور چائے کی بات ہی کچھ اور ہے ۔

تحصیلدارنی صاحبہ کا سلام لینے کا انداز

تحصیلدارنی صاحبہ جب میکہ آتیں تو سلام لینے کا انداز ہی بدل گیا تھا

میکہ کو اپنی تحصیل کی رعایا سمجھنے لگی تھیں ، گردن اس قدر موٹی ہوگئی تھی کہ بڑوں کے آگے بھی جھک
یں سکتی تھی ۔ سلام قبول کرنے کے بھی حدود مراتب مقرر فرمالئے تھے ۔ کسی سے کوئی کام یا غرض
بستہ ہو تو وابستہ رکھنے کی حد تک کوئی چھوٹا بھی سلام کرے تو بلائیں لی جاتیں چونکہ ان کا برادر
م جیلانی ان کے مقدمہ کا نگران تھا اسلئے بلائیں اسی وقت تک لی گئیں جب تک کام رہا ۔ جس کسی
ے کام نہ ہو اور وہ تحصیلدارنی صاحبہ کو سلام کرنے کی عزت حاصل کرے تو صرف ہونٹ ہلتے آواز
سنائی بھی نہ دیتی ۔ ہونٹ کا ہلنا بہت بڑا اعزاز تھا ۔ اس سے کم اعزاز کسی کو دینا ہوتا تو سر کا اشارہ
ہوتا ، گویا یہ بھی ایک اعزاز تھا جو سلام کرنے والے کو بخشا گیا ۔ آخری اعزاز جو کم مرتبہ بدنصیب
دیا جاتا وہ یہ تھا کہ سلام کرنے والے کو گھور کر دیکھ لیا جاتا ، گویا گھور کر دیکھنا ہی اس کے لئے باعث
عزاز ہو گیا تھا ۔

بہرحال دماغ ہر دو کے اس بری طرح سے متاثر اور بگڑ گئے تھے کہ الامان والحفیظ ۔

قدرت کا پہلا طمانچہ

تحصیلدار صاحب جو ہوٹلوں میں ٹھہرنے کے عادی بن چکے تھے اور سسرال کے مکان میں قیام ان کے اعزاز کے خلاف

ہو گیا تھا۔ اب انہیں شدید گھٹیا ہو گئی۔ شدت کی ناقابل بیان و برداشت تکلیف جوڑوں میں تھی۔ اب زندہ تحصیلدار صاحب مردہ کی طرح ہاتھوں ہاتھ گاؤں سے شہر اور پھر سید صاحب کے سسرال ذریعہ ڈولا لائے گئے تحصیلداری صاحبہ تو زچگی میں تھیں لہٰذا گاؤں ہی میں رہیں۔ بہرحال تحصیل کے ملازمین نے تحصیلدار صاحب کو ناٹ یا توپ کی طرح اٹھا کر انکے سسرال کے ایک حجرے میں لا کر تخت پر ڈال دیا۔ یہ زندہ لاش اب بستر پر دراز تھی۔ یہ چیخ و پکار سنتے سنتے کان پھٹے جاتے تھے۔ وہ تحصیلدار صاحب جن کی آواز بوجہ غرور و متانت نکلتی نہ تھی صرف ہونٹوں کے ہلنے سے مطلب سمجھ کر تعمیل کرنی پڑتی تھی۔ اب ماہی بے آب تڑپ رہے تھے اور اللہ بار بار یاد آ رہا تھا۔ بڑی عاجزی آ چکی تھی۔ چونکہ اب سسرال سے خدمت بھی تو لینی تھی۔ اللہ اللہ کر کے تحصیلدار صاحب اچھے ہوئے۔ گویا کتّے کی دم جو قدرت نے بیماری کی نلکی میں ڈال رکھی تھی وہ نلکی نکل گئی پھر دم ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہو گئی۔ پھر وہی نازو ہی غرور وہی انداز

سیدزادے کے بزمانہ تحصیلداری مظالم

تحصیلدار صاحب نے ایک دن بہ انداز غرور و ناز اپنے سالے دوم جیلانی سے کہا کہ میرا لیوی وصول کرتے کا ریکارڈ پورے ممالک محروسہ میں نمبر ایک پر ہے لیوی کہتے ہیں کسان سے بعد فصل اناج کا ایک حصہ بحق گورنمنٹ وصول کرنے کو۔ تحصیلدار صاحب نے فرمایا۔ میں نے کبھی یہ نہیں دیکھا کہ فصل اچھی ہوئی یا خراب۔ اگر کسان نے مقررہ لیوی دینے سے ذرا بھی کمی یا کوتاہی کی تو میں اس کے سر پر منکر رکھ بڑا پتھر اس کے سر پر رکھ کے دھوپ میں کھڑا کر دیتا تھا تاکہ وہ کہیں سے بھی اس کی تکمیل کرے۔ ایسے ہی موقعہ پر علامہ اقبال نے کہا ہے۔

جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی ؎ اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

گرما دو غلاموں کا لہو سوز یقین سے ؎ گنجشک فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں ؎ ہیں تلخ بہت بندہ مزدور کے اوقات

ایسے ظالم سیدزادے کے تعلق سے جو دنیوی اغراض کے لئے اپنی شرافت ایمانداری اور خودی کا خاتمہ کر ڈالے شاعر مشرق فرماتے ہیں۔

اے ایمان سے محروم سیدزادے!

تو اپنی خودی اگر نہ کھوتا ؎ زناری برگساں نہ ہوتا

ہیگل کا صدف گہر سے خالی ؎ ہے اس کا طلسم سب خیالی!

محکم کیسے ہو زندگانی؟ ؎ کس طرح خودی ہو لازمانی؟

میں اصل کا خاص سومناتی ؛ آبا میرے لاتی و مناتی
تو سید ہاشمی کی اولاد ؛ میری کف خاک برہمن زاد
ہے فلسفہ میرے آب و گل میں ؛ پوشیدہ ہے ریشہ ہائے دل میں
شعلہ ہے ترے جنوں کیلئے سوز ؛ سن مجھ سے یہ نکتہ دل افروز
دل در سخن محمدی بند ؛ اے پور علیؓ زبو علی جند

چوں دیدۂ راہ بیں نداری
قائد قریشی بہ از بخاری

تحصیلدار صاحب روپیہ برباد کرتے ظلم کی ناؤ چلاتے رہے جب کوئی کم از کم ایک ذاتی مکان بغرض رہائش لینے کہا گیا مکان دکھایا گیا بڑی حقارت سے اس مکان کو دیکھا اور فرمایا یہ تو سبّل لگانے کے قابل ہے اس غرور کا انجام قارئین آگے پڑھیں گے کہ کیا ہوتا ہے ؟

زوال اول

تحصیلدار صاحب کرڈ وبگنڈی کا عہد زرین ختم ہو چکا ان کا تبادلہ تحصیل شمس آباد جو حیدرآباد سے صرف نصف گھنٹہ کے فاصلہ پر ہے اور پائیگاہ کا علاقہ ہے ہو گیا۔ اب تحصیلدار کے ہوش ٹھکانے لگے حواس جاتے رہے۔ یہاں کی آمدنی غیر واجبی یعنی رشوت شہر سے قریب ہونے کی وجہ سے بس واجبی تھی اور شاہ خرچی کے لئے قطعی ناکافی تھی ۔ اب تو تحصیلدار صاحب سسرال برابر آتے اور رہتے اور تحصیلدار صاحب کی زبان پر ہائے یہ کیا ہوا بار بار آتا گویا وہ علامہ اقبال کی زبان میں کہہ رہے تھے ۔

" ثریا سے زمین پر آسماں نے ہم کو دے مارا "

بیچارے تحصیلدار کو کیا پتہ تھا کہ آسمان آگے چل کر ان کو تحت الثریٰ تک لیجا کر ٹپکنے والا ہے ۔ تحصیلدار کو شمس آباد کی اوپر کی آمدنی کافی نہ ہوتی تو وہ ایک سونے کی چھوٹی سی اینٹ جو انہیں بہ زمانہ تحصیلداری ڈوبگنڈی رشوت میں ملی تھی ہر ماہ تھوڑی بیچ کر اخراجات شاہانہ کی تکمیل کرتے آخر وہ بھی ختم ہو گئی۔

سترہ سو کے آٹھ سو

اب زمانہ تحصیلداری شمس آباد میں وہاں کے مدرسہ کے صدر مدرس امام خان تحصیلدار صاحب کے مصائب .ن گئے ۔ سرکار، سرکار پکارتے ہوئے مختلف مشورے دیا کرتے ۔ جب تحصیلدار نے تنگی اور ہاتھ کا تنگ ہونا ان سے بیان کیا تو فوراً صدر مدرس امام خان نے رکشائیں خریدنے اور کرایہ پر چلا کر فراغت حاصل

کرنے کی تدبیر بتلا دیں۔ جب اُن کا تذکرہ سسرال میں تحصیلدار صاحب نے کیا تو سب نے خصوصاً ان کے سالے (دوم) جیلانی نے بہت منع کیا۔ مگر تحصیلدار کو جو دماغ میں آتی تھی کر گزرتے۔ گھر کا تمام زیور جہیز میں دیا ہوا جو بچا تھا صدر مدرس امام خان کے حوالے بغیر وزن کے کر دیا گیا یہ زمانہ تحصیلداری بصورت زیور کچھ خریدا نہ تھا۔ اب جو کچھ تھا وہ بھی حوالے امام خان ہو گیا۔ امام خان نے سترہ سو روپیہ لا کر دیئے۔ تین رکشہ بتوسط امام خان نئے خریدے گئے۔ آمدنی یہ ہوئی کہ کرایہ برابر کوئی لا کر دیتا نہ تھا چند ماہ میں رکشاؤں کی حالت ابتر ہو گئی۔ آخر تنگ آکر بیچنے پر آمادہ ہوئے تین رکشہ آٹھ سو میں فروخت ہوئے۔ پرانا محاورہ کاروبار کر کے نقصان اٹھانے کے بارے میں یہ تھا کہ "سولہ سو کے ہزار کئے" مگر اب اس محاورہ کو بھی تحصیلدار نے بدل دیا کہ سترہ سو کے آٹھ سو کئے اور اب گھر میں ایک ماشہ سونا بھی نہ رہا۔ تحصیلدار کو اب چار بیٹے اور پانچ بیٹیاں تھیں اور دن بدن تباہی کے غار میں گرتے جا رہے تھے۔ جیسے اعمال کئے تھے ویسے نتائج نکل رہے تھے اور نکلنے والے تھے۔

بقول حضرت اقبالؔ

شرارے وادیٔ ایمن کے تو بوتا تو ہے لیکن ؛ نہیں ممکن کہ پھوٹے اس زمیں سے تخمِ سینائی

کلی زورِ نفس سے بھی وہاں گل ہو نہیں سکتی ؛ جہاں ہر شے ہو محرومِ تقاضائے خود افزائی

تحصیلدار صاحب کس طرح تحصیلداری سے گر کر پیشکار ہوئے۔ صغری بیگم اور سید زادے کس طرح اور ذلیل و خوار ہوئے۔ آئندہ اپنے وقت پر آئے گا۔ اب ذرا ایک نظر مجسٹریٹ صاحب اور ان کے خاندان پر ڈال لیتے ہیں۔

باب ششم

(۱) ہے ترکِ وطن سنت محبوب الٰہی (اقبال)

منصف مجسٹریٹ صاحب کا خاندان

منصف مجسٹریٹ صاحب کے دادا جب مدینہ منورہ سے معہ بیوی ہجرت کر کے ہندستان آئے تھے۔ وہ زبردست عالم تھے۔ اس زمانہ میں شہر سورت علماء دین کا مرکز بنا ہوا تھا اسلئے مدینہ سے وہ سیدھے شہر سورت میں رونق افروز ہوئے۔ مقصد تشریف آوری نمایاں نہ ہو سکا کہ آیا آنا بغرض تبلیغ دین تھا جس کے لئے انہوں نے ترک وطن کیا تھا بقول علامہ

ہے ترک وطن سنت محبوب الٰہی ؎ دے تو بھی نبوت کی صداقت پہ گواہی

یا اس زمانہ میں مدینہ منورہ میں افلاس کا دور دورہ تھا اور ہندوستان کی دولت کے قصے مشہور تھے۔ اس نقطہ نظر سے شائد وہاں سے ہندستان آئے ہوں جیسا کہ شاعر مشرق فرماتے ہیں۔

نہیں ضبط نوا ممکن تو اڑ جا اس گلستاں سے ؎ کہ اس محفل سے خوشتر ہے کسی صحرا کی تنہائی

کوئی تبلیغی کارنامے تو نظر میں نہ آئے لیکن یہاں آنے کے بعد دو فرزند پیدا ہوئے اور عالم صاحب بہت جلد اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بڑے فرزند کے نصیب نے بہت یاوری کی۔ زبردست عالم ہوئے ایک بزرگ خاندان کی لڑکی سکینہ بیگم سے شادی کی فرزند احمد تولد ہوئے۔ بنام سیاحت سورت سے شاہجہاں آباد آئے مرشد اعظم کے علم و فضل اور وعظ کی بیحد شہرت ہو چکی تھی۔ اس وقت کے کمزور شہنشاہ مغلیہ ابو نصر معین الدین اکبر ثانی معہ اپنے محل کے ان کا مرید ہو گیا۔ خطابات اور اعزازات خلعت نذرانے مرشد کو عطا ہوئے۔ یہ وقت تھا مسلمان ساری دنیا اور ہندوستان میں زوال پذیر ہو گیا تھا۔ سوچنے اور زندگی گزارنے کے انداز بدل گئے تھے۔ بجائے مرید مرشد سے فیض روحانی حاصل کرے اور مرشد مرید کو فیض روحانی عطا کرے۔ مرید خود مرشد کو دنیوی اعزازات اور دولت سے نواز رہا اور مرشد مرید سے فیض دنیوی حاصل کر رہا تھا۔ سچ کا اظہار زہر بن گیا تھا بقول حضرت اقبال۔

دل آگاہ جب خوابیدہ ہو جاتے ہیں سینوں میں ؛ تو اکثر کے لئے زہر ہوتی ہے شکر خائی

اب مرشد اعظم کے پاس دولت دنیوی کی کمی نہ تھی اور ساتھ ہی ساتھ عالم دین اور واعظ بے بدل ہونے کے چرچے بھی عام ہوتے جارہے تھے اور شاہانہ کروفر آسمانوں کی بلندیاں چھونے لگا تھا. دہلی اور شمالی ہند میں مسلمانوں کی تباہی اور انگریزوں کا زور خطرناک حد تک بڑھ چکا تھا۔ لہذا مرشد اعظم اپنے فرزند واحد احمد کو جو بذات خود بھی ایک جید عالم تھے شہر سورت میں چھوڑ سیر و سیاحت کے بہانے بعمر (۵۴) سال حیدرآباد آئے یہ آصفجاہی خاندان کے چوتھے فرمانروا ناصرالدولہ کا دور حکومت اور چندو لعل کی پرائم منسٹری کا زمانہ تھا، حیدرآباد آنے کے بعد تقدیر نے یاوری کی ۔ عالیشان عمارت بغرض رہائش و وعظ خریدی ۔ حکومت آصفجاہی سے یومیہ اور پائیگاہوں سے بھی بے انتہا دولت حاصل کی۔ پھر اپنے فرزند احمد کو سورت سے بادشاہ وقت کی خواہش پر عدالت کے ایک بڑے خصوصی عہدہ جلیلہ پر بلا لیا۔ احمد اپنے دو بیویوں اور دو فرزندوں کے ساتھ حیدرآباد آکر ناظم اعلیٰ کا جائزہ لیکر امور عدلیہ انجام دینے لگے ۔

مرشد اعظم کے فرزند کو بلوا کر عدالت کا عہدہ جلیلہ دینے کے دو وجوہ تھے ایک تو یہ کہ حیدرآباد میں تعلیمیافتہ اور قابل حضرات کی کمی کی وجہ سے باہر ہی کے لوگ آکر بڑے عہدوں پر فائز ہوتے تھے دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ یہاں رعایا عدالت کے فیصلوں کی تعمیل کو ضروری نہ سمجھتی تھی اور نہ عدالت کی وقعت ان کے نظروں میں تھی ۔ قرضداروں کے ساتھ قرضہ دینے والے پٹھانوں اور روہیلوں کا زور اس قدر بڑھ گیا تھا کہ وہ قرضداروں اور ان کی بیویوں کو از خود گرفتار کر کے قرضہ ادا ہونے تک اپنے گھر میں قید رکھتے تھے ۔ چونکہ مرشد اعظم شہر میں بااثر ہو چکے تھے اسلئے ان کے فرزند کو اس عہدہ جلیلہ پر فائز کیا گیا کہ ان کے فیصلے عوام قبول کریں (دیکھئیے : جوڈیشیل رپورٹ سنہ ۱۲۹۴ ف و تاریخ (حاکم التواریخ و تاریخ آصفی عدالت)

(۲) باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری (اقبال)

مرشد اعظم کے فرزند احمد جو ناظم اعلیٰ تھے منصف مجسٹریٹ صاحب کے حقیقی دادا ہیں ۔ مرشد اعظم جب حیدرآباد تشریف لائے کوئی بیوی آپ کے ساتھ نہ تھی چونکہ ناظم اعلیٰ کی والدہ سکینہ بیگم کا شہر سورت ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ حیدرآباد آنے کے بعد جبکہ آپ کی عمر ۵۵ سال ہو چکی تھی متعدد نکاح کئے ۔ ہر وقت چار بیویوں کا کوٹہ مکمل رہتا تھا ان حیدرآبادی بیویوں سے (۹) نو

اولادیں ہوئیں جن میں سات بیٹیاں اور دو بیٹے تھے۔ حیدرآباد کے ماحول کی بیویوں کے بچے حیدرآباد کے ماحول میں تربیت پاکر تباہ ہوگئے اور مرشد اعظم کا نام ڈبو ڈالا۔ یوں بھی مرشد اعظم (۹۰) سال تک اولاد کو جنم دینے میں بہ زور غذا اور روپیہ مصروف رہے اور نگرانی تعلیم و تربیت خاطر خواہ نہ کرسکے۔ مرشد اعظم نے (۱۰۸) سال کی عمر پائی۔ بڑے لائق فرزند احمد ناظم اعلیٰ باپ کے سامنے انتقال کرگئے ان کی اولاد از روئے شریعت ورثہ سے محروم ہوگئی۔ مرشد اعظم کے دونوں فرزندوں نے یہاں کے نوابی خاندانوں کی ہر برائی کو اپنالیا حتیٰ کہ سیندھی شراب نشہ عیاشی کو شیوہ زندگی بنالیا اور یہاں تک تباہ ہوئے کہ الامان الحفیظ ـــــــ قدرت نے ان دونوں کو اولادِ نرینہ سے تک محروم کردیا۔ اب مرشد اعظم کا نام ان کے فرزند اکبر کی اولاد ہی سے باقی رہا۔ مگر فرزند اکبر یعنی ناظم اعلیٰ کی بعض اولادیں بھی حیدرآباد کے ماحول سے ایسی متاثر ہوئیں کہ نشہ میں مبتلا ہوگئیں، ہندو عورتوں سے ناجائز تعلقات پیدا کئے اور مجہول النسل اولاد چھوڑ کر کوئی عالم نشہ میں حسین ساگر کے تالاب میں ڈوب مرا کوئی ڈھیڑ واڑے میں قتل بلکہ ٹکڑے ٹکڑے کردیا گیا۔ صرف نام لمبے لمبے ہندوستان آکر رکھنا سیکھ لیا۔ جب مرشد اعظم کے والد ہندوستان آئے تو نام صرف ابراہیم بن یوسف تھا ان کی اولادوں نے تو اس قدر لمبے نام رکھ لئے کہ لکھنے مکمل ایک سطر یا اس سے زائد درکار ہو۔ جب تک نام چھوٹے تھے کارنامے بڑے تھے جب نام بڑے ہوگئے کارنامے صفر ہوگئے۔ عیاشی کی داستانیں طویل و لمبی ہوگئیں۔

دین کے نام پر دنیوی دولت کا حصول

ہندوستان کے عظیم واعظ اور مرشد اعظم کے انتقال اور تدفین کے بعد جب ان کا کوٹھہ کھولا گیا تو بیس[٢] لاکھ نقد اور شہنشاہ مغلیہ ابو النصر معین الدین اکبر ثانی کے عطا کردہ جواہرات اور بیش بہا اشیاء و ملبوسات کی مالیت کروڑوں سے باتیں کررہی تھیں جو آج اربوں کی مالیت تک ہونگے۔ علاوہ ازیں ایک عالیشان مکان جس کی مالیت لاکھوں کی تھی اور شیشہ آلات تین لاکھ سے زائد علاوہ دیگر سامان چھوڑے۔ گویا دین کا نام لیکر دنیوی کمائی ہوئی یہ دولت تھی ورثا دولت کے لئے کتوں کی طرح لڑنے لگے اور عدالت میں علماء خاندان کے سپوت مقدمات چھیڑ کر کے اپنی اوقات خراب کرنے لگے۔ یہ ہیں زوال پذیر قوم کے علماء کا حال جس پر جس قدر خون کے آنسو بہائے جائیں کم ہے۔ عوام کا کیا حال ہوگا جبکہ تخت پر وعظ اور گھر میں شریعت مکمل ستیاناس اور تباہ حال ـــــ اسلئے حکیم الامت علماء پر یوں آنسو خون کے بہاتے ہیں۔

باقی نہ رہی تیری وہ آئینہ ضمیری ؛ اے کشتۂ سلطانی و ملائی و پیری
گر صاحب ہنگامہ نہ ہو منبر و محراب ؛ دین بندۂ مومن کیلئے موت ہے یا خواب
ملاکی نظر نور فراست سے ہے خالی ؛ بے سوز میخانۂ صوفی کی مۂ ناب

---

(۳) نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے (اقبال)*

مسلمانوں کا زوال آج کا نہیں بہت پرانا ہے۔ گویا مرض کہنہ۔ اس زمانہ میں
کوئی برائی ایسی نہ تھی جو حیدرآباد اور ہندوستان کے مسلمانوں میں نہ تھی۔ حیدرآباد میں عیاشی انتہا پر
بیوی کے علاوہ خواص یعنی بلا نکاح کی عورتیں شاہانہ لوازمات بن گئے تھے ذراسی خوشحالی آ
خواص رکھ لی۔ خوشحالی زیادہ ہوگئی خواصوں کی فوج تیار ہوگئی ــــ علاوہ ازیں طوائف کے کو
راتوں کو جگمگاتے رہتے۔ بڑے افسوس کی بات تو یہ تھی کہ صرف عورتیں ہی اس زمانہ میں مر
کے لئے دل بہلانے کافی نہ تھیں بلکہ ایسے بھی عاشق مزاج تھے جو ہیجڑوں سے عاشقی فرماتے
شوق فرماتے تھے۔ یہ ہیجڑے (نامرد مخنث) مکمل زنانی لباس اور سنگار میں رہتے۔ جہاں کسی
گھر میں بچہ تولد ہوتا دائی ماں کے توسط سے معلومات انکو ملجاتیں اور وہ دروازے کے سامنے
تالیاں بجاکر پکارتے "کہاں ہوا بی ماں بچہ" رسم چھٹی چھلہ میں یا کسی تاریخ کا تعین کر
انہیں بلوالیا جاتا۔ ان کا گانا اور ناچ بڑے ذوق و شوق اور انہماک سے سنتے اور دیکھتے۔ روپیوں
کے وارے نیارے ہوتے۔

اوسط گھرانوں تک کا یہ حال تھا کہ صاحب زادے پندرہ سولہ سال کے ہوئے گھر کی
نوخیز باندی رات سوتے وقت پاؤں دبانے ان کے حجرے میں پہنچادی جاتی۔ جو اولاد اس سے
وہ صحیح النسب نہیں ــــ بلکہ مجہول النسب ــــ شادی (جلوہ) کی بیوی کی اولاد صاحب عزت
قدر دانی و جائیداد کی وارث ـــــــ خواص اور باندی کی اولاد خود بیوی کی اولاد کو کہتی "آپ
موتی ہیں اور ہم جھوٹے موتی ــــ بازاروں میں لونڈیاں جانوروں کی طرح فروخت ہوتے۔ ایسے
لونڈیوں سے نکاح کی ضرورت ہی نہ تھی ــــ یہ طریقہ سالارجنگ اول کے پرائم منسٹری کے دور
ذریعہ احکام ممنوع کیا گیا اور ایسی خرید و فروخت کو خلاف شرع بتلایا گیا (دیکھئے جوڈیشنل رپور
سنہ ۱۲۹۴ف اور تاریخ حاکم التواریخ (تاریخ عدالت آصفی) علامہ اقبال ایسے عیش ایسی حکو

اور تجارت کے بارے میں فرماتے ہیں ۔

یہ عیش فراواں یہ حکومت یہ تجارت ؏ دل سینہ بے نور ہیں محروم تسلی !

حیدرآباد میں تعلیم کا رواج ہی نہ تھا ۔ عہد نظام سابع عثمان علی خاں تعلیم نے اہمیت حاصل کی بھی تو برائے نام پڑھے لکھے شریف گھرانوں کا قبل ازیں یہ حال تھا کہ نوشہ میاں قبل شادی دلہن کے گھر دیکھنے بلوائے گئے ۔ کوئی ایک خط پڑھنے دے دیا اگر نوشہ نے پڑھ لیا تو تعلیمیافتہ ورنہ جاہل ۔ سیندھی تو اتنی عام تھی کہ بیٹی دینے سے قبل داماد کو پلایا جاتا اور دیکھا جاتا کہ آیا وہ پی کر بکواس یا مار پیٹ پر اتر آتا ہے یا خاموش رہتا ہے ۔ اگر خاموش رہا تو صاحب ظرف ۔ داماد بننے کے قابل ـــــ عورتیں تک سیندھی سے شوق فرماتی تھیں ۔ پھر مسلمانوں کا محبوب مشغلہ مرغ بازی ، بٹیر بازی ، بلبل بازی اور مبتلائے جوا رہتا تھا ۔ مسلمان تنزل کے غار میں گرتا جاتا تھا ۔ نیچے ـــــ اور نیچے ـــــ !

ہندوستان آکر اپنی اسلامی تہذیب چھوڑ کر مسلمان گندی نئی تہذیب کو اپنا رہا تھا جس کے بارے میں بانگ درا میں حکیم الامت فرماتے ہیں ۔

اُٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں ؏ نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

(۴) قیامت ہے کہ فطرت سو گئی اہل گلستاں کی (اقبالؔ)

منصف مجسٹریٹ صاحب کے والد کی شادی

ایک جانب شہر کا ماحول اس قدر گندہ تھا ۔ مسلمان ناقابل بیان حد تک کیا بلحاظ کردار کیا بلحاظ اسراف کیا ، بلحاظ رسم ورواج گندگی میں پھنس گئے تھے ۔ علماً ان کو سدھارنے کے بجائے خود انوکھے رسم ورواج اور عجیب گندگی میں پھنسے ہوئے تھے ۔ منصف مجسٹریٹ صاحب کے والد نیض صاحب جب حیدرآباد اپنے والد کے ساتھ شہر سورت سے آئے سات سال کے تھے ۔ حیدرآباد کی گندہ فضا میں عالم شباب کا ایک سلورت جوانی کے دروازہ میں داخل ہی ہوا تھا کہ ایک "لوا" پاؤں دبانے کمرے میں روانہ کردی گئی ۔ جس سے ایک فرزند خیر الدین پھر امیر الدین پیدا ہوئے جو خواص زادے اور غیر صحیح النسب کے ناموں سے یاد کئے جاتے تھے ۔

باضابطہ شادی لائق عبرت

اب نیض صاحب کی باضابطہ شادی شعبان ۱۲۸۴ھ میں ایک اعلیٰ مشائخ خاندان کی لڑکی سے بعوض

مہر موجل پچاس ہزار اور (۱۲۵) دینار بڑے دھوم دھام سے رچائی گئی جبکہ فیض صاحب مرشد اعظم کے اثرات کی بنا پر ماہانہ ۱۲۵ روپے میوہ خوری کے حکومت سے بطور منصب پاتے تھے ۔ قابلِ ذکر امر یہ ہے کہ سرشد اعظم نے اپنے پوترے کی شادی میں پچاس ہزار کا خرچہ فرمایا اور مہر ادھار رکھا گیا۔ ایسے امور عام لوگوں سے ہٹ کر جب علماء انجام دینے لگیں تو قوم کو کون سنبھالے ؟ جب قوم کے علماء حکماء شعراء قوم کو بیدار نہ کر سکیں تو قوم کیا خاک ترقی کی راہ پر چل سکتی ہے ان کا مقدر تو تنزّل ہی ہو چکا۔ علامہ بڑے دکھ سے فرماتے ہیں۔

شاعر بھی ہیں پیدا علماء بھی حکماء بھی ؛ خالی نہیں قوموں کی غلامی کا زمانہ !
مقصد ہے ان اللہ کے بندوں کا مگر ایک ؛ ہر ایک ہے گو شرحِ معانی میں یگانہ !
بہتر ہے کہ شیروں کو سکھا دیں رمِ آہو ؛ باقی نہ رہے شیر کی شیری کا فسانہ !
کرتے ہیں غلاموں کو غلامی پہ رضا مند ؛ تاویلِ مسائل کو بناتے ہیں بہانہ !

مکمل قوم بشمول علماء کو دیکھکر حکیم الامت یوں خون کے آنسو بہاتے ہیں :-

قیامت ہے کہ فطرت سو گئی اہلِ گلستاں کی ؛ نہ ہے بیدار دل پیری نہ ہمت خواہ برنائی

(۵) آ کے بیٹھے بھی نہ تھے اور نکالے بھی گئے (اقبال)

ولادت اور داغ یسیری

دھوم دھام کا شادی کی یادگار بن کر منصف مجسٹریٹ صاحب جمادی الاول ۱۲۸۶ ھ (۱۸۷۰ء) میں عالم وجود میں آئے ۔ دادیال نے بادشاہ میاں پکارا ، ننھیال نے جانی میاں ۔ دونوں جانب خوشیاں تھیں ۔ رسومات تھے ۔ دل سب کے باغ باغ تھے ۔ ننھیال اور دادیال کی زبان پر یہی نعرہ تھا۔

جستجو جس گل کی تڑپاتی تھی اے بلبل مجھے ؛ خوبیٔ قسمت سے آخر مل گیا وہ گل مجھے (اقبال)

لیکن ابھی یہ سب کے آنکھوں کی ٹھنڈک ابھی نو ماہ کی تھی کہ یکایک بہ مرض ہیضہ ماں اللہ کو پیاری ہو گئیں ۔ اولاً نانی بعد انتقال منجلی خالہ نے ننھیال میں بڑے چاؤ سے پرورش کی۔ ہر جمعہ دادیال کو بگھی میں بٹھا کر ملنے روانہ کیا جاتا پڑدادا مرشد اعظم میری پچاس ہزار کی کمائی کہہ کر سینے سے لگا لیتے ۔ اٹھارہ سال تک ننھیال میں پرورش پا کر اپنے والد کے گھر آ گئے اور باپ اور علاتی ماں کی خدمت میں مصروف نظر آنے لگے وکالت کا امتحان پاس کر لیا تھا۔

اب وکالت سے زندگی کی ابتدا کی۔

(۶) جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا (اقبالؔ)

جب عورت مرد پر حاوی ہو جائے

فیض صاحب نے بیوی کے انتقال کے دو سال کے بعد ایک غریب خاندان کی سیدانی سے عقد کر لیا۔ مرشد اعظم کے اثرات سے اب فیض صاحب منصفی کی خدمت پر فائز ہو چکے تھے۔ مرشدوں اور واعظوں کے اثرات عقبیٰ حاصل کرنے سے زائد دنیا حاصل کرنے کیلئے بڑے موثر ہوتے ہیں۔ فیض صاحب بہت نرم طبیعت کے تھے بیوی سیدانی بہت ان پر حاوی ہو گئی تھی۔ بارہ اولادیں ان سے ہوئیں۔ تعلیم و تربیت کا تو کوئی سوال ہی نہ تھا۔ فیض صاحب دس سال بمشکل ملازمت کر سکے۔ سیدانی بیوی نے دو لحاظ سے ان کے لئے ملازمت کرنا مشکل کر دیا۔ پہلا تو یہ کہ ساہوکاروں کو گھر پر بلوا کر شوہر سے پرائمسری نوٹ کی تکمیل کروا کر قرضہ خود گھر چلانے، تنخواہ اور منصب کافی نہ ہونے کے بہانے حاصل کر لیتی۔ ملازمت کا مقام ــــ عدم ادائی قرضہ کی صورت میں ساہوکاروں کے دعویٰ دائر کرنے کا اندیشہ ــــ محکمہ اعلیٰ کو اطلاع ملنے پر نوکری کے لئے شدید خطرہ۔ بیوی نادرے فرزند بادشاہ میاں جواب وکالت کر رہے تھے اطلاع پا کر ساہوکار کو قرضہ ادا کر کے پرائمسری نوٹ حاصل اور اسکو تلمزد کر کے والد کو بطور نذر پیش کرتے۔ پھر دوسرا پرائمسیری نوٹ کی سیدانی تکمیل کرواتی۔ یہ سلسلہ چلتا رہا اور بادشاہ میاں قرضہ ادا کر کے پرائمسری نوٹ ساہوکاروں سے حاصل اور تلمزد کر کے باپ کو بطور نذر پیش کرتے رہے۔

(۷) بڑھ جاتا ہے جب ذوق نظر اپنی حدوں سے (علامہ اقبالؔ)

اب سیدانی محترمہ اپنے حدود سے بہت بڑھ گئیں اور خطرناک حد میں داخل ہو کر فریقین سے در پردہ گفتگو کرتیں جو زیادہ رقم (رشوت) دینے راضی ہوتا اس کے حق میں فیصلہ خیر الدین خواص زادے سے لکھوا کر شوہر کی دستخط لے لیتیں۔ بات کب تک چھپ سکتی تھی۔ تحقیقات کی نوبت آگئی۔ بوجہ اثرات فیض صاحب نے خرابی صحت کا عذر کر کے دس سال ہی ابھی ملازمت کو گذرے تھے کہ وظیفہ معذوری کی درخواست پیش کر دی۔ بادشاہ میاں نے پیروی کر کے وظیفہ جاری کروایا۔ جو درخواست علماء اور واعظ حکومت کو دیتے تھے انہیں

"دعا نامہ" کہا جاتا تھا ۔ فیض صاحب نے اپنی جائیداد منصفی ا
میاں کو دینے دعا نامہ دینا چاہا ۔ سیدانی صاحبہ نے سمجھایا ک
اور خیال طاقتور ہے قابو میں نہ رہے گا ۔ خیرالدین خواص زا
لہذا دعا نامہ خیرالدین کے لئے پیش ہوا اور خیرالدین کو خدمت
نصف تنخواہ خیرالدین سے منگواتیں ۔ خیرالدین کی عمر نے د

بادشاہ میاں اب منصف مجسٹریٹ

آخر دعا
صاحب

وصول ہوئے تو سیدانی صاحبہ نے بادشاہ میاں سے کاغذا
کے لئے اقرار نامہ لکھوا لیا جب ملازمت منصفی پر جانے دیا ۔ یہاں
پڑھیں گے کہ سیدانی کی اولاد کی تربیت ایسی تھی ، دو لڑکیوں کا حکم
سوال خود بخود سامنے آتا ہے کہ فیض صاحب منصف تھے عالم
مرشدی بھی کرتے تھے بیوی کی غلامی کیوں کرنے لگے تھے ۔ حکیم

فیض فطرت نے تجھے دیدۂ شاہیں بخشا ؛ جس میں رکھد
تفاوت نہ دیکھا زن و شوہر میں نے ؛ وہ خلوت نشیں
ابھی تک ہے پردے میں اولادِ آدم ؛ کسی کی خودی

(۸) خبر نہیں کیا ہے نام اس کا خدا فریبی کہ

بعد وظیفہ بغرض حصول زر مفت کی بسم اللہ خوانی

سالار جنگ اول مرشد
کی وجہ سے فیض صاحب
سیدانی صاحبہ کا دماغ
خود فریبی کے حدود سے نکل کر ترکیبیں سوچتے ہیں اپنا ایک خاص
وظیفہ ایک نئی اور ترکیب نکالی ۔ گھر سے یا باہر سے کسی جار
کرایہ کی شیروانی اور دستار منگوا کر انہیں پہنا کے اپنے شوہر کے سا
روانہ کیا جاتا ۔ بسلسلہ بسم اللہ خوانی ، سالار جنگ اول سنہری ر
گھر پہونچتے ہی کرایہ کے کپڑے واپس اور سنہری سرپیچ فروخت کر د

ایسا عمل کرکے روپیہ حاصل کیا جاتا۔ ایسی ہوس کے بارے میں حضرت اقبال فرماتے ہیں۔

اے ہوس خون رو کہ ہے یہ زندگی بے اعتبار ؎ یہ شرارے کا تبسم یہ خس آتش سوار

سیدانی ۔۔۔ اور دختر دوم کا انجام

پہلی دختر بدرد بیگم کا حال تفصیلی ہم اسکے بعد بیان کرینگے۔ پہلے دختر دوم حشمت النساء بیگم کا حال بیان کیا جاتا ہے کہ کسطرح سیدانی صاحبہ نے اس دختر کی زندگی برباد کی۔ ایک پیام وزیر الدین وکیل کا آیا۔ بادشاہ میاں نے دریافت کے بعد اس شخص کا قابل اعتبار نہ ہونا اور خانہ بدوش اور لاوارث ہونا بتلایا اور کہا کہ یہ جامہ زیبی پر تکلف لباس صرف دھوکہ ہے۔ لیکن سیدانی صاحبہ نے بادشاہ میاں کو علاتی بھائی جان کر ان کا بیان بربنائے حسد قرار دیا اور بیٹی دیدی۔ آخر وہی ہوا، داماد بلاتکلف تاریخ نکاح سے سسرال میں قیام پذیر ہوگئے۔ وظیفہ کے بعد اب اخراجات بیٹی اور داماد کے برداشت کرنے پڑے شادی سستی ہوئی جو سمجھا تھا وہ بڑی مہنگی پڑ گئی۔ پھر انتہا یہ ہوئی کہ کھانا اور انتظامات رہائش ناقابل آرام بتلا کر گالی گلوج اور مار پیٹ شروع ہوئی۔ سیدانی صاحبہ اور بے حیا وزیر الدین وکیل کے بارے میں علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

ہو فکر اگر خام تو آزادی افکار ؎ انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

پھر وہی بادشاہ میاں بلوائے گئے۔ بادشاہ میاں نے بعد کوشش اس حیوان سے بہن کو طلاق دلوائی پھر اس بدنصیب دختر دوم کا نکاح فیض صاحب کے مرشد کے بیٹے کرامت اللہ سے ہوا۔ مرشد کے بیٹے عیاش اور شرابی نکلے۔ بہرحال دو بچے نانا میاں اور سید میاں تولد ہوئے اور آخر کرامت اللہ انتقال کر گئے۔ مصائب اٹھا اٹھا کر بدنصیب دختر دوم بھی اللہ کو پیاری ہوگئی۔ نانا میاں دق سے انتقال کر گئے۔ سید میاں بادشاہ میاں کی سرپرستی میں آئے اور پھر بادشاہ میاں کے داماد سوم بنے۔ وہ بے حیائی اور خودی سے محروم زندگی کے حامل تھے۔ عجیب بے حیائی کی زندگی گذار کر ایمان کا سودا کرکے بھیانک اور خوفناک بیماری اور موت کا شکار ہوئے۔

(۹) نسوانیت زن کا نگہباں ہے فقط مرد

(علامہ اقبال)

زوال پذیر مسلمان قوم میں عورت کا مقام

اب تک آپ عورتوں کے کارنامے پڑھتے آرہے ہیں اور اندازہ ہوگیا

ہوگا کہ اسلام نے عورت کو اسکا صحیح مقام دیا" کا دعویٰ کرنے والی مسلمان قوم جب سے زوال پذیر ہوئی اس نے عورت کو کبھی اس کا صحیح مقام نہیں دیا اور نہ زوال پذیر قوم کی عورت میں وہ اعلیٰ جذبات و خصوصیات باقی رہیں جو ایک زندہ قوم کی عورت میں درکار ہوتے ہیں۔ یا تو عورت ہاتھ کی طوطی بنی رہی یا پاؤں کی جوتی ۔ زوال پذیر قوم کے مرد نے کبھی عورت کو بیوی کا روپ دیا تو کہیں اسے خواص، طوائف اور رنڈی کے روپ میں دیکھا۔ کہیں عورت قوم کی ہوس کے لئے ایک کھلونا بنی رہی کہیں بے کسی دبلے پن کا روپ لئے نظر آتی رہی تو کہیں ظالمانہ انداز اختیار کئے مرد کو پریشان کرتے دکھائی دیتی رہی ہے۔ بہر حال زوال پذیر قوم کی عورت بھی غلو میں غوطہ زن ہے تو زوال پذیر قوم کا مرد بھی غلو کے سمندر میں غوطے کھا رہا ہے۔ زوال پذیر قوم کا مرد کمانے اور سرمایہ دار عورت کے سامنے جی حضوری کر کے اس کی دولت اور کمائی کھانے سے نہیں شرماتا اور جہیز کے نام سے مطالبات لامتناہی سے بھی شرم نہیں کرتا ۔ بہت کم ایسا ہوا ہے کہ زوال پذیر قوم کے مرد عورت اپنے صحیح حدود اور دائرہ میں گھومتے نظر آتے ہوں جیسا کہ اب تک قارئین نے پڑھا اور آئندہ پڑھیں گے ۔

علامہ اقبال اس سلسلہ میں بڑے حسین انداز سے سمجھاتے ہیں :-

اک زندہ حقیقت مرے سینہ میں ہے مستور ؛ کیا سمجھے گا وہ جس کی رگوں میں ہے لہو سرد
نے پردہ، نہ تعلیم، نئی ہو کہ پرانی ؛ نسوانیت زن کا نگہبان ہے فقط مرد
جس قوم نے اس زندہ حقیقت کو نہ پایا ؛ اس قوم کا خورشید بہت جلد ہوا زرد

حیرت انگیز عبرتناک افسوسناک گناہ ہائے کبیرہ جسکا اثر نسلاً در نسلاً

(۱۰) پختہ افکار کہاں ڈھونڈنے جائے کوئی (علامہ اقبال)

مذمت کا مذاق نام رسولؐ کے پردہ میں دھوکہ و فریب

یہہ کوئی جاہل خاندان کا ذکر نہیں ایک عالم خاندان کا واقعہ ہے اس وقت کا جبکہ فیض صاحب سفینی نارائن پیٹھ پر برسرِ خدمت تھے اور بادشاہ میاں بحیثیت وکیل پیشہ وکالت انجام دے رہے تھے فیض صاحب اپنے مستقر پر بھی خدمت منصفی کے ساتھ مرشدی یعنی مرید کرنے اور بیعت لینے کے کام بھی انجام دیتے تھے جو خلاف مصلحت تھا کہ ہر مطلب پرست مرید ہو کر اپنا مطلب نکال سکتا تھا جس سے انصاف میں دخل

ہوسکتا تھا۔ علامہ اقبال ایسے ہی موقعہ پر کہتے ہیں۔

کچھ قدر اپنی تو نے نہ جانی ☆ یہ بے سوادی یہ کم نگاہی!

دنیا سے دوں کی کب تک غلامی ☆ یا راہبی کر یا بادشاہی!

غریب گھر سے آئی سیدانی صاحبہ ایک بڑے گھر میں آکر شاہ خرچی پر ایسی اتر آئی تھیں کہ جائز اور ناجائز آمدنی بھی کافی نہ ہورہی تھی۔ بچے بھی بارہ ۱۲ ہو چکے تھے۔ کفایت شعاری اور لڑکیوں کے لئے روپیہ جمع کرنے اور جہیز جوڑنے کا نام نہ تھا۔ بڑی صاحبزادی بدرو بیگم کا چڑھتا شباب اور ابھرتی جوانی اب ماں باپ کو شادی کے لئے دعوتِ فکر دے رہی تھی۔ فیض صاحب نعتیہ شاعر تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں قصائد لکھتے تھے۔ اب سیدانی صاحبہ نے شوہر کو مشورہ دیا کہ اگر آپ بیٹی کی طرف سے قصائد لکھکر اس کے نام سے دیوان شائع کروادیں تو اس کو عاشق رسول لائق و قابل جان کر بلا روپیہ کوئی شادی کر لے سکتا ہے۔ یہ غیر صحیح مشورہ بھی فیض صاحب نے مان لیا۔ بیٹی کا تخلص "خفی" رکھکر ایک دیوان بیٹی کے نام سے شائع کروادیا گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لیکر بھی دھوکہ دینے سے اس عالم اور مرشد نے پرہیز و خوف نہیں کیا۔

بہرحال یہہ دیوان بادشاہ میاں کو جو وکالت کر رہے تھے نارائن پیٹھ بلوا کر دیا گیا کہ شہر جا کر مشاطاؤں کو بلوا کر حوالے کرو اور کہو کہ کثرت سے یہہ دیوان فروخت ہوتے ہیں جسکی آمدنی کافی آتی ہے لڑکی قابل لائق اور عاشق رسول ﷺ ہے۔ اس دیوان کی بناء پر ایک نسبت حفیظ الدین منصبدار ماہانہ ایک سو پچیس (۱۲۵) کی آگئی، پسند بھی کرلی گئی، تاریخ بھی مقرر کرلی باقی تھی اس دھوکہ کا انجام بقول علامہ اقبال ملاحظہ فرمائیے۔

دیکھئے اس بحر کی تہ سے اچھلتا ہے کیا ☆ گنبد نیلو فری رنگ بدلتا ہے کیا

فیض صاحب کی ایک مریدنی جو گھر میں سیدانی صاحبہ کے پیر دباتے اور خدمت میں رہا کرتی تھی اس نے سوچا اتنی قابل بچی ہے۔ دیوان کی آمدنی تو مستقل ہوگی پھر منصف صاحب سے دولت بھی خوب ملے گی۔ رشتہ مانگنے کی ہمت نہ تھی۔ کام یہہ کیا کہ اولاً اپنے بیٹے حافظ کو منصف صاحب کا مرید بنا کے ان کے ہاتھ پر بیعت کروائی۔ پھر اس عورت نے بدرو بیگم کو ایسا شیشہ میں اتارا کہ بدرو بیگم اس عورت کے ساتھ فرار ہوگئی۔ فیض صاحب کی مریدنی نے گھر پر قاضی بلوا کر فیض صاحب کے مرید حافظ سے بدرو بیگم کا نکاح کروادیا اور سمجھا کہ حالات سب ایک دن ٹھیک

ہو جائیں گے۔ شروع سے آخر تک چاہیے وہ فیض صاحب ہوں کہ سیدانی صاحبہ یا ان کی مریدانی ہو کہ حافظ صاحب و بدرو بیگم سب کے خیالات ناہموار اور ہر ایک دھوکہ پر مائل ہے۔ اسلئے حضرت اقبال خون کے آنسو بہاتے ہوئے مسلمان قوم کے بارے میں فرماتے ہیں۔

پختہ افکار کہاں ڈھونڈنے جائے کوئی ؛ اس زمانے کی ہوا رکھتی ہے ہر چیز کو خام!
خودی کی موت سے پیر حرم ہوا مجبور ؛ کہ بیچ کھائے مسلماں کا جامۂ احرام!

مریدنی صاحبہ اور حافظ صاحب پُر امید تھے کہ ایک دن آئے گا جب کہ فیض صاحب اور سیدانی ماں کو معلوم ہو جائے گا کہ حافظ انکے داماد بن گئے ہیں تو وہ بیٹی داماد کو جو مرید بھی ہے اپنے سینہ سے لگا لینگے نہ بیچارے سمجھ بھی نہ سکے کہ

کہاں اقبال تو نے بنایا آشیاں اپنا ؛ نوا اس باغ میں بلبل کو ہے سامان رسوائی

(۱۱) خودی کی موت سے ہندی شکستہ بالوں پر　(علامہ اقبال)

فیض صاحب کا مستقر پر بحیثیت منصف کوئی دبدبہ تھا نہ بحیثیت مرشد کوئی لحاظ۔ بدرو بیگم گھر سے غائب ہے۔ کسی کو ڈر ہے نہ خوف۔ ماں باپ پریشان ہیں۔ آخر سیدانی صاحبہ نے اپنے ایک بیٹے ابراہیم علی کو بادشاہ میاں کو بلوالانے شہر بھیجا۔ جوں ہی خبر مشہور ہوئی کہ بادشاہ میاں آنے والے ہیں بدرو بیگم فوری گھر میں آکر بیٹھ گئی۔ بدرو بیگم کا حافظ سے نکاح ہونا کسی پر ظاہر نہ ہوا تھا۔ یہی سمجھا گیا کہ بھاگ گئی تھی آگئی ہے۔ پکارا کیا جائے تو بدنامی کا موجب ہے۔ بادشاہ میاں آئے۔ حفیظ الدین سے شادی کی تاریخ مقرر کرنے غور کیا جانے لگا۔ بادشاہ میاں بہن کو گھر میں دیکھکر تاریخ مقرر کرنے کی اطلاع ذریعۂ خط دی جائے، کہتے ہوئے شہر واپس ہو گئے۔

حفیظ الدین سے شادی کی تاریخ مقرر کرنے پر جب غور کیا جانے لگا۔ حافظ صاحب پریشان ہوئے اور فوری شہر آکر دارالقضا میں طلب زوجہ کا مقدمہ دائر کیا کہ نارائن پیٹھ میں بدرو بیگم سے میری شادی ہونے کے بعد دوسرے سے شادی کر دینا چاہتے ہیں۔ میری زوجہ مجھے دلائی جائے نقل عرضی دعویٰ اور نقل سیاہہ نارائن پیٹھ وصول ہوا۔ اب فیض صاحب اور سیدانی صاحبہ بیحد پریشان ہوئے۔ فوری بادشاہ میاں کو بلوایا گیا، عقل مندی کا تقاضہ تو یہ تھا کہ دلہن کو ایک تقریب کر کے حوالے نوشا کر دیا جاتا چونکہ شرعی کوئی گنجائش ناجائز نکاح کو قرار دینے کی نہ تھی۔ نکاح باضابطہ ہوا تھا دونوں عاقل و بالغ تھے نکاح میں کوئی سقم نہ تھا مگر عالم خاندان کو نفس امارہ نے ابھارا اور۔

حلال حرام میں تبدیل نکاح برخواست زنا جاری

بادشاہ میاں وکیل اور عالم خاندان کے سپوت نے شہر کی ایک حسین جوان اور خوبرو طوائف "لوریحان" جو کوتوال شہر اکبر جنگ کی بھی معشوقہ تھی کو اپنی چال میں پھنسایا اور اس سے درخواست دلوائی کہ فلاں حافظ فلاں شب میرے پاس رہا، میرے سوتے وقت میرا تمام زیور لیکر فرار ہوگیا۔ میرا زیور دلوایا جائے۔ پس پھر کیا تھا، کوتوال شہر نے تمام پولیس کے ناکوں کو حکم دے دیا کہ بعجلت ممکنہ حافظ کو گرفتار کرکے زیور برآمد کرکے لوریحان کو دلواکر مجھے اطلاع دی جائے۔ حافظ کی گرفتاری پولیس کیلئے علحدہ دردِ سر بنی ہوئی تھی سخت مزاج کوتوال سے تمام شہر کے ناکے پریشان تھے۔ بادشاہ میاں برابر حافظ کا تعاقب کررہے تھے ایک رات تین بجے کا وقت تھا کہ چارمینار کے ناکہ پر بادشاہ میاں نے حافظ کو یعنی اپنے ہمنوائی کو گرفتار کروادیا۔ پھر اتنی رات کو طوائف لوریحان کے گھر گئے جو پوری طور پر ان کے قبضہ وتصرف میں تھیں اور اسکو اسی وقت سواری میں بٹھا کر ناکہ کے قریب لاکر پردہ میں سے حافظ کو بتلا کر کہا کہ دیکھو یہی حافظ ہے، پولیس سے کہو کہ یہی تمہارا چور ہے۔ بادشاہ میاں پہلے سواری سے اتر گئے لوریحان طوائف سواری سے اتری اور پولیس کے انسپکٹر کو نشان دہی کی کہ ہاں یہی وہ ہے جس نے میرا زیور لیکر راہ فرار اختیار کی تھی۔ پولیس نے حافظ صاحب کو شادی کی سلامیاں دینی شروع کیں۔ بادشاہ میاں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ اتنی رات کو وہ طوائف لوریحان کو لیکر اکبر جنگ کوتوال کے گھر لیجاکر گھر میں بھجوادیا۔ اکبر جنگ کوتوال معشوقہ کے آنے کی خبر سنکر نیند سے فوری اٹھے اور احکام صادر کئے کہ ملزم سے سختی کے ساتھ برتاؤ کرکے مال برآمد کرلیا جائے پھر بادشاہ میاں نے لوریحان کو گھر پہنچا کر ناکہ آگئے اس وقت تک حافظ صاحب کی ہیئت بدل چکی تھی۔ خون میں نہائے آہ ــــــ آہ ــــــ زبان سے نکل رہی تھی اور زیور لینے اور حتیٰ کہ طوائف کو اور اس کے گھر کو تک جاننے سے انکار کررہے تھے۔ ہر انکار پر لاٹھیاں پولیس کی برس رہی تھیں اور حافظ کے ہاتھ بددعا کے لئے بار بار اُٹھ رہے تھے وہ بڑی رقت آمیز درد بھری آواز میں اللہ سے فریاد کررہا تھا ــــــ رسول برحق محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے جس کے حضرت انس رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ فرمایا آقائے دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے :-

"مظلوم کی بددعا قبول ہوتی ہے اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے لئے کوئی روک نہیں ہے"۔ (مسند احمد)

پولیس کی مار ـــــــ الاماں و الحفیظ۔ حافظ پر بے ہوشی طاری ہو جاتی تھی جب ہوش آتا تو
پولیس زیور کی واپسی کا مطالبہ کرتی اور مارنا شروع کر دیتی۔ بادشاہ میاں وکیل تا کہ میں پہنچے اور کہا کہ وہ ان
کے وکیل ہیں۔ ملزم سے بات تنہائی میں کرنا چاہتے ہیں۔ پولیس نے اجازت دی۔ بادشاہ میاں نے حافظ
سے کہا اگر تم میری بہن کو دارالقضاء چل کر طلاق دیدو تو میں تمہیں رہا کروا دیتا ہوں۔ حواس باختہ تھے
جسکے آنکھوں میں موت پھر رہی تھی۔ حالت مظلومی میں "ہاں" کہدی۔ بادشاہ میاں حافظ کے دارالقضاء
کی عدالت کے وکیل کو لے آئے کاغذات طلاق تیار کروائے اور پولیس سے اجازت لیکر اپنی ذمہ داری
پر حافظ کو لیکر کہ وہ زیور برآمد کروا کے ساتھ لائیں گے عدالت دارالقضاء اسکو لے گئے۔ عدالت میں حافظ
سے اپنی بہن بدرو بیگم کو طلاق بائین دلاکر مقدمہ خارج ہونے کے بعد لوریجان طوائف سے متعلقہ تاکہ میں درخواست
دلوائی کہ زیور میرا مکمل مل گیا ہے ملزم کو رہا کر دیا جائے۔ کوتوال سے حکم حاصل بھی کر لیا۔ بحکم کوتوال حافظ
رہا ہوئے لیکن اس کے ہاتھ بد دعا کے لئے عمر بھر اٹھتے رہے۔ جسم سے نکلا خون اور جسم پر پڑے مار کے
نشان جو زندگی بھر بطور یادگار باقی رہ گئے تھے۔ عمر تمام اللہ سے فریاد کرتے اور بادشاہ میاں اور ان کی
اولاد کو بددعائیں دیتے رہے جو مقبول بارگاہ جیسا کہ آگے آئے گا ہوئیں۔

مقدمہ خارج ہونے کے فوری بعد تاریخ شادی مقرر کر کے بدرو بیگم کی شادی ہندوؤں کے رسومات
کے ساتھ حفیظ الدین کے ساتھ کر دی گئی۔ عالم خاندان نے یہ بھی نہیں سوچا کہ بدرو بیگم بعد نکاح گھر سے کئی
دن غائب رہی اور حافظ کے گھر میں رہی۔ طلاق کے بعد عدت کا بغرض عقد ثانی تین ماہ دس یوم گزرنا
از روئے شریعت ضروری ہے۔ سیاہہ میں بدرو بیگم کا عقد اول لکھا گیا ہے۔ گویا عدت کی تکمیل کے
بغیر بدرو بیگم کا عقد ہوا ہی نہیں، وہ تمام عمر حفیظ الدین کے ساتھ زنا میں مبتلا رہی۔ جو اولاد ہوئی وہ سب
ناجائز۔ ایسے ہی موقعہ پر علامہ فرماتے ہیں۔

خودی کی موت سے ہندی شکستہ بالوں پر　　قفس ہوا ہے حلال، اور آشیانہ حرام!

قارئین آگے پڑھیں گے کہ بادشاہ میاں سے قدرت ان مظالم کا کس انداز سے بدلہ لیتی ہے۔ بادشاہ
میاں اور ان کے والد نے جو توہین رسول ﷺ اور توہین مذہب کرنے کی جسارت کی اسکی کیا کیا سزائیں ان کو اور
ان کی اولاد کو دیتی اور بدرو بیگم کی بیٹی گوری بیگم اور اس کی بیٹیاں وجیہا ضعیفی میں بادشاہ میاں کو کسطرح عذاب
بن کر لپٹ گئے۔ بادشاہ میاں اول تو اولاد سے محروم رہے۔ عالم ضعیفی میں اولاد ہوئی تو کسطرح ایمان
سے محروم ہو کر شیاطین کی پوجا میں مصروف ہو گئیں، اپنے اپنے وقت پر آئے گا۔ اور یہ بھی
معلوم ہوگا کہ ہر چکنے والی چیز سونا نہیں ہوتی۔

باب ہفتم

(۱) عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی (اقبال)

منصف مجسٹریٹ صاحب (بادشاہ میاں) کے حالات زندگی پر ایک نظر

بادشاہ میاں کا بعد وفات والدہ نو ماہ سے اٹھارہ سال تک اپنے نانیال میں پرورش پانا پھر آکر والد اور علاتی ماں کی خدمت کرنا اور ابتدائی عمر میں نو سال تک پیشہ وکالت کا کام انجام دینا اور بہ زمانہ وکالت لڑاکا وکیل کے نام سے مشہور رہنا پھر باپ کے دعا نامہ کی بنا پر منصف مجسٹری کے عہدہ پر فائز ہونا بیان کیا گیا۔ جو حالات پیش کئے گئے اس سے ظاہر ہو گیا کہ سوائے مرشد اعظم کے فرزند اکبر جو عدالت کے ناظم اعلیٰ تھے جنہوں نے کبھی دین کا نام لیکر دنیا نہیں کمائی تمام بشمول مرشد اعظم نے دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنایا جسمیں منصف مجسٹریٹ صاحب بادشاہ میاں بھی شامل نظر آتے ہیں۔ منصف مجسٹریٹ صاحب نے اپنے مستقر پر دیانت اور صحیح انصاف کے ڈنکے بجا دیئے اور رشوت سے ہمیشہ پرہیز کیا لیکن ملازمت سے ہٹ کر اپنی خانگی زندگی میں وہ ان اعلیٰ اصولوں پر پورے اترتے نظر نہیں آتے اور نہ مذہب پر پورے اترتے نظر آتے ہیں مذہب کا دکھاوا اس خاندان نے اپنا شیوہ زندگی بنا لیا تھا۔ اب ہم بادشاہ میاں کی شخصی زندگی پر نظر ڈالتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ حافظ کی بددعائیں بادشاہ میاں کا تعاقب زندگی بھر کرتی رہیں یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق وہ دعائیں مقبول بارگاہ الٰہی ہو کر بادشاہ میاں کے یہ ظالمانہ جوش کردار نے ان کے تقدیر کے راز کھول کر رکھ دیئے جیسا کہ شاعر مشرق فرماتے ہیں۔

راز ہے راز ہے تقدیر جہان تگ و تاز ؎ جوش کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز

بادشاہ میاں کی پہلی شادی

بادشاہ میاں کی پہلی بیوی معظم النساء نہایت ہی حسن کا پیکر تھی۔ اس کا فائدہ بادشاہ میاں یہ بتلاتے ہیں کہ خلوت میں صرف انہیں ہاتھ لگاتے تو صحن میں پھینک دیئے جاتے۔ ہزار ہا روپیہ علاج پر خرچ ہوا۔ پتہ چلا کہ اجنہ کے بادشاہ کا تصرف ان محترمہ پر تھا جو تین سال کی عمر سے ان کے ساتھ تھا کسی عامل کے علاج سے فائدہ نہ ہوا۔ ایک عامل نے ایک تعویذ جی چھپا

دونوں میاں بیوی کی سی زندگی گزار سکے، پھر تعویذ کھو گئے پھر پہلے جیسی زندگی کا آغاز ہوگیا۔ علاج کے لئے روپیہ کا بے انتہا خرچ مگر سکون غائب۔ زندگی ایک وبال بن رہی آخر سات سال رہ کر وہ بیوی اللہ کو پیاری ہوگئی۔

بادشاہ میاں کا عقد دوم

بیوی کے انتقال کے پونے دو سال بعد بادشاہ میاں نے ایک بیوہ ملکہ بی بی سے جنہیں ماہانہ تیس ۳۰ روپیہ یومیہ تھا نکاح کیا۔ محترمہ کے پیٹ میں شدت کا درد ایسا ہوتا تھا کہ اللہ کی پناہ۔ صاحب اولاد نہ ہو سکیں۔ ایک دن فیض صاحب نے اپنے بیٹے بادشاہ میاں سے کہا کہ ہماری بہو کو لے آو۔ بادشاہ میاں لے گئے تو فیض صاحب کو جو لڑکی ہوئی تھی وہ بہو کے گود میں ڈال کر کہا یہ تمہاری بیٹی ہے لیجاؤ۔ اس لڑکی کا نام نظامی بیگم رکھا اور انا کو رکھکر پرورش کی۔ اہلیہ دوم تیرہ یا سترہ سال زندہ رہیں۔ آخر وہ بھی اللہ کو پیاری ہوگئیں۔

بادشاہ میاں کی اہلیہ سوم

اب بادشاہ میاں کی عمر (۴۵) ویں سال کی سیر عالم شباب کھو کر کر رہی تھی۔ قوی اچھے پائے تھے اس عمر میں اس خالہ نے جس نے اٹھارہ سال تک انہیں پالا تھا ان کی جانب توجہ کی اور ایک باکرہ شریف الخاندان لڑکی زینت بیگم سے جو اپنے شباب کے آغاز پر یعنی زندگی کے (۱۹) ویں سال کی سیر کر رہی تھی دلہن بنا کر لے آئیں۔ یہ عجب اتفاق کہ بادشاہ میاں اور زینب بیگم کے والد کا سنہ پیدائش ایک ہی تھا۔ زینب بیگم کے والد سید محی الدین حسین البیض مدراس یونیورسٹی کے اس دور کے گریجویٹ تھے۔ مدراس سے آکر حضور نظام میر محبوب علی خان کے دفتر پیشی میں ایک اچھے عہدہ پر فائز ہوئے تھے، بدنصیبی تھی کہ (۳۸) سال کی عمر میں مرض ٹائیفائیڈ میں مبتلا ہوئے اور جان بر نہ ہوسکے۔ بادشاہ میاں کی تیسری شادی بلحاظ مالیت زیور کپڑا بہت شاندار شادی تھی۔ سونے کے بازیب کے ساتھ شادی کی گئی تھی جو اس زمانہ کی سب سے معیاری شادی شمار کیجاتی تھی۔ گویا ایک طرف بادشاہ میاں نے جو والد اور علاتی ماں کی خدمت کی تھی اس کا بدلہ قدرت کو چکانا تھا تو دوسری جانب توہین رسول مذہب کے نام پر دنیا طلبی اور حافظ پر ظلم کا بدلہ چکانے قدرت کو انہیں اولاد دینی تھی۔ ہر اچھے اور برے کام کا بدلہ دنیا ہی تقدیر کا کام ہے جیسا کہ حکیم الامت فرماتے ہیں۔

تقدیر ہے اک نام مکافات عمل کا ٭ دیتے ہیں یہ پیغام خدایان ہمالہ

بھروسہ اللہ اور رسولؐ پر یا بھروسہ عمر پر

بادشاہ میاں کی تیسری شادی کا واقعہ بھی عجیب ہے۔ جب بادشاہ میاں کا کاغذ شادی دلہن والوں کے پاس گیا اور دریافت کے لئے دیا گیا تو منصف مجسٹریٹ صاحب کے دیانتدار ہونے اور رشوت سے پرہیز کرنے اور عالم خاندان کے فرد ہونے کا لوگوں نے ذکر کیا۔ دریافت کرنے والوں نے جب یہ تذکرہ ان کی ہونیوالی خوش دامن صاحبہ سے کیا تو وہ خوشی سے کہہ اٹھیں میں تو اپنی بیٹی ضرور ایسے ہی کو دونگی۔ ان کے ماموں اور خاندان کے تمام لوگ خلاف تھے کہ عمر کا اس قدر تفاوت ہے، نہیں دیا جاسکتا۔ وہ اللہ والی جس کی زبان پر دن تمام اللہ اور میرے رسول اللہؐ رہا کرتا تھا کہا میری زبان سے ہاں نکل گئی اب ہاں کہکر نہ نہیں کہوں گی۔ اللہ اور اس کے رسولؐ کے بھروسہ پر دے دوں گی۔ البتہ دوسری بیٹی صغریٰ کے بارے میں دخل نہ دونگی۔ فیصلہ آپ لوگوں پر چھوڑ دونگی۔ چنانچہ زینب بیگم (۱۹) سالہ کو بادشاہ میاں (۴۵) سالہ سے بیاہ کر دیا گیا اور صغریٰ بیگم (۱۸) سالہ کا ایک نوجوان (۲۵) سالہ سے خاندان والوں نے بیاہ کیا۔ صغریٰ بیگم صرف سات سال سہاگ کر کے بعمر (۲۵) سال بیوہ ہوگئیں اور زینب بیگم (۵۳) سال کی عمر تک سہاگن رہیں، یعنی بحیثیت سہاگن تیس سال سے زیادہ بسر کئے۔ اللہ والی اپنی زندگی تک ہمیشہ خاندان والوں سے پوچھا کرتی تھیں تم لوگوں نے عمر پر بھروسہ کر کے صغریٰ کو دیا، میں نے اللہ اور اس کے رسولؐ پر بھروسہ کر کے زینب کو دیا۔ کہو کس کا بھروسہ کام آیا۔ ایسی نیک خدا رسیدہ اللہ والی نیک ہستی کی زندگی اور موت کے تعلق سے علامہ اقبال نے خوب وضاحت کی ہے۔

زندگانی تھی تری مہتاب سے تابندہ تر ٭ خوب تر تھا صبح کے تارے سے بھی ترا سفر

(اقبال)

---

(۲) یا مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار

منصف مجسٹریٹ صاحب و اہلیہ سوم انوکھا فلسفہ تقویٰ

منصف مجسٹریٹ صاحب نے جہاں سرکاری ملازمت میں انصاف اور دیانت داری کے ڈنکے بجادئے تھے اب اپنی اہلیہ سوم کے ساتھ انصاف کرنے کے بجائے خیالی انوکھا فلسفہ کو اختیار فرما کے حقیقت اور انصاف سے گریز کر گئے۔ مجسٹریٹ صاحب اپنے عالم شباب میں پہننے کے حوصلے نکال لئے تھے اب ان کی اہلیہ کے پہننے کے دن تھے۔ مجسٹریٹ کا دل اب اگر مردہ ہو چکا تھا تو اپنے نامناسب تقویٰ خیالی کا رعب ایک کم عمر

لڑکی جواب ان کی اہلیہ بنی تھی غیر صحیح انداز سے جمانا قرین انصاف نہ تھا کہ تمام ملبوسات جو جہیز میں دیئے گئے تھے اسکو صندوق میں بند کر کے قفل لگا دینا اور معمولی دو جوڑے کپڑے لاکر پہننے کے لئے دے دینا اس کم عمر لڑکی کے دماغ پر پہلی ضرب کاری تھی ۔ یہہ ایک خیالی فلسفہ تقوی تھا چونکہ عورت کو سونے کے زیور پہننے سے نہ منع کیا گیا نہ اچھے کپڑے پہننے سے از روئے شریعت منع فرمایا گیا ہے ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عائشہ رضؓ کی عمروں میں بھی بہت تفاوت تھا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس فرق کو اپنے طرز زندگی اور اعمال سے کبھی محسوس ہونے نہ دیا تھا۔ حضرت عائشہ رضؓ سے ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' چلو بھاگتے ہیں دیکھیں کون آگے نکل جاتا ہے ۔ حضرت عائشہ رضؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے نکل گئیں ۔ دوسرے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضؓ سے آگے نکل گئے ۔ ایک مرتبہ ایک شخص ناچ رہا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضؓ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے یہہ ناچ دکھایا حالانکہ آپ صلعم کو اس ناچ سے دلچسپی نہ تھی ۔

حضرت عمر رضؓ بن عبدالعزیز خلیفہ ہوئے تو اپنی بیوی سے کہا تھا ' تمہارا زیور جو تمہارے باپ خلیفہ نے جو عوام کے روپیہ سے خرید کر تمہیں دیا ہے اسے بیت المال میں داخل کردو یا مجھ سے علحدگی اختیار کرلو ۔ آپ رضؓ کی بیوی نے فرمایا زیور آپ سے زیادہ مجھے عزیز نہیں ۔ بیت المال میں داخل کروادیا ۔ مجسٹریٹ صاحب کی اہلیہ سوم کو دیا ہوا زیور اور کپڑا تو حلال کی کمائی سے خرید کردیا گیا تھا ۔ اگر منصف مجسٹریٹ صاحب اپنے خیالی فلسفہ کی بنا پر اسے جائز نہ سمجھتے تھے تو واپس بوڑھی ساس کو ہی کر دیتے ۔ ایک دن ایسا بھی آتا ہے کہ آہستہ آہستہ مجسٹریٹ صاحب ان زیورات کو اور ملبوسات کو جسکو انہوں نے اپنی اہلیہ سوم کو بلحاظ تقوی پہننے سے باز رکھا تھا فروخت کر کے اپنے گھر کے اخراجات کی تکمیل فرمانے لگے یعنی اسے خیالی مذہبی فلسفہ کے تعلق سے علامہ اقبال فرماتے ہیں ۔

جو فلسفہ لکھا نہ گیا خونِ جگر سے ؎ یا مردہ ہے یا نزع کی حالت میں گرفتار

(۳) یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری

(علامہ اقبال)

اہلیہ سوم اور مجسٹریٹ صاحب انصاف کے ترازو میں

منصف مجسٹریٹ صاحب نے اہلیہ سوم سے شادی کرتے وقت عمر کے تناسب کا خیال نہ رکھا تھا ۔ نتیجہ یہہ کہ اہلیہ جوان ہونے سے ہر سال اولاد ہوتی جاتی تھی ۔

منصف مجسٹریٹ صاحب بیوی اور بچوں کے حقوق سے غافل ہوکر علاتی ماں جن کے نیچے جوان ہوکر نکھے بیٹھے رہتے تھے ان جوان بچوں کی پرورش کے لئے نصف اپنی تنخواہ ذریعہ منی آرڈر روانہ کردیتے تھے۔ علاتی ماں نے اپنی ایک بیٹی نظامی بیگم کو بھی گود میں ڈال کر اسکی ذمہ داری بھی سپرد کردی تھی جو اب جوان ہوکر شادی کے قابل ہوچکی تھی اور منصف مجسٹریٹ صاحب اسکی شادی کی رسومات غیر شرعی انداز کے ساتھ انجام دینے قرضہ نکال چکے تھے جسکی ادائی بھی تنخواہ سے ہوتی تھی۔ اہلیہ سوم کا مطالبہ تھا کہ نصف تنخواہ جو آپ روانہ کررہے ہیں آپ کے سب علاتی بھائی جوان ہوکر نکھے بیٹھے کھارہے ہیں اسکو روک دیا جائے تو اسکو منصف مجسٹریٹ صاحب اسے اپنی سخاوت اور خیرات سمجھتے تھے اور غصہ میں آکر کہتے "تم اور تمہاری اولاد باؤلی میں گرجاؤ"۔

حضرت سعدؓ کو ایک بیٹی تھی اور آپ صاحب دولت تھے۔ آپؓ نے چاہا کہ اپنی دولت اللہ کی راہ میں خیرات کردیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " تم اپنی دولت میں سے چوتھائی خیرات کرو بقیہ بیٹی کے لئے رکھ چھوڑدو تاکہ وہ محتاج ہوکر خیرات لینے کے موقف میں نہ آجائے"۔

کیا اہلیہ سوم بے بس تھیں

منصف مجسٹریٹ کی اہلیہ سوم گویا باپ کے سایہ سے محروم تھیں لیکن وہ اثرات رکھتی تھیں ماں کے حقیقی ماموں ایک منصف تھے دوسرے عدالت کے ناظم تھے اور ماں کے نانا ولی احمد صاحب ہائیکورٹ کے جج رہ چکے تھے۔ لیکن سب یہی کہتے تھے کہ شریفوں میں بیٹی کو اپنے اثرات اور دولت کے بل پر گھر نہیں بٹھا لیا جاتا۔ جس گھر میں ڈولی گئی ہے اسی گھر سے ڈولا نکلنا چاہیئے۔ یہی ہمارے خاندان کی ریت ہے۔ مگر سب منصف مجسٹریٹ صاحب کے علم، انصاف پھر عالم ہونے اور عالم خاندان کے سپوت ہونے اور عالموں کا سا حلیہ اختیار کرنے پر حیران ہوکر بقول اقبال کہتے۔

تیرے دین و ادب سے آرہی ہے بوئے رہبانی ؎ یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری
ملاّ کی نظر نور فراست سے ہے خالی ؎ بے سوز ہے میخانہ صوفی کی مئے ناب

(۴) قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے متاع کردار (اقبالؒ)

ردعمل بصورت غیبت اور خطرناک نتائج

اہلیہ سوم کے دماغ پر منصف مجسٹریٹ صاحب ضرب پر ضرب لگا رہے تھے۔ یوں تو ہر چیز ناقابل برداشت اور خلاف انصاف تھی لیکن ایک اور چیز جو سوہان روح

ایک کم عمر لڑکی کے لئے بنی ہوئی تھی وہ یہ کہ بوقت پریشانی ضرورت جہیز میں آئے زیورات میں سے کسی چیز کو فروخت کر کے تکمیل اخراجات منصف مجسٹریٹ صاحب فرماتے تھے ـــــ اہلیہ سوم بے لبس تھی اور سامنے تو منہ پر قفل رہتا مگر جب کوئی مل جاتا تو شوہر کی غیبت شروع کر کے آنسو بہانے لگتی ۔ غیبت کی تعریف حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمائی ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے پوچھا غیبت کیا ہے ۔ صحابہ رضؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ؐ ہی بہتر جانتے ہیں ۔ حضور ؐ نے فرمایا کسی کا ذکر اس طرح کرنا جکو وہ بُرا سمجھے ... اگر وہ بات اسمیں ہے جو تم نے کہی تب تم نے غیبت کی اور اگر وہ بات ہے ہی نہیں تو تم نے اس پر بہتان لگایا (مسلم) ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضؓ سے روایت ہے کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کرنے اور سننے سے منع فرمایا (ریاض الصالحین) حضرت مسعود رضؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس نے کسی مسلمان کی غیبت کر کے ایک لقمہ بھی کھایا تو اللہ اتنا ہی لقمہ آتشِ جہنم کا کھلائے گا اور جس نے مسلمان کی غیبت کر کے کوئی کپڑا پہنا اللہ تعالیٰ قیامت میں اتنا ہی کپڑا آتشِ جہنم سے پہنائے گا ۔ (ابوداؤد)

فرمایا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے غیبت کرنے اور غیبت سننے والا دونوں گناہوں میں شریک ہیں اور فرمایا چغل خور جنت میں نہیں جائے گا ۔ (غربی و مسلم)

اہلیہ سوم اپنے شوہر کے تعلق سے جو کہتی تھی وہ حقیقت ہی رہتی تھی مگر آنحضور ؐ نے اسے بھی غیبت قرار دیکر عذاب کی وعیدیں دی ہیں ۔ اہلیہ سوم لگاتار شوہر کی غیبت کی عادی ہوگئی ۔ حتیٰ کہ جب اولاد بڑی ہوئی تو اولاد کے سامنے اپنے شوہر کی غیبت کرتی تھی ۔ یہ بڑا نازک مسئلہ تھا ۔ اولاد کے لئے ماں اور باپ دونوں کی عزت وادب ضروری و لابدی ہے کہ ماں کے قدموں کے نیچے جنت اور باپ فرمانِ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی روشنی میں جنت کا دروازہ ہے ۔ اولاد کی دونوں کا ادب کرنا لازم ہے میاں بیوی کے رشتہ برابری کے ہیں ۔ اولاد کے نظروں میں ماں کا باپ کی عزت ووقعت کو گرانا ۔ یہ ماں کا خود اپنی اولاد کے حق میں بدترین کارنامہ ہے گویا ماں خود اپنی اولاد کی دین ودنیا تباہ کرنے پر آمادہ ہوگئی ہے ۔ اس سے اس بات کا امکان بھی ہے کہ باپ کے ساتھ اولاد کوئی نامناسب ایسی حرکت کر بیٹھے جو اسے جنت سے محروم کر کے حوالے جہنم کردے ۔ اسلئے ہر ماں کا فرض بنتا ہے کہ باپ کی عزت کرنا اولاد کو سکھائے کہ اسکی اولاد جہنم سے بچی رہے ۔

غیبت کرتے کرتے اہلیہ سوم کی یہ حالت ہوگئی وہ جس اولاد سے خفا ہو جاتی اسکی غیبت

دوسری اولاد سے کرتی۔ اس کا نتیجہ یہہ نکلا کہ تمام اولاد میں غیبت کی عادات پیدا ہوگئی تمام اس غیبت کے خطرناک مرض میں مبتلا ہوگئے اور ہمیشہ آپس میں دست بہ گریبان رہنے لگے۔ غیبت ایسی دبا اور مصیبت ہے اس کے ہاتھوں بقول علامہ اقبال ـــ قوم کے ہاتھوں سے جاتا ہے متاعِ کردار۔

نصیحت

ہر سمجھ دار ماں اگر اپنی اولاد کی خیر خواہ ہے اور اس کی تباہی نہیں چاہتی اور اس کے دین و دنیا کے سکون کو برقرار رکھنا چاہتی ہے تو اس پر لازم آتا ہے کہ غیبت کی خطرناک بیماری کو وہ اپنے گھر میں داخل ہونے ہی نہ دے اور ایک بہترین نمونہ بن کر اولاد کی تربیت کرے۔ ایسی تربیت کہ ماں کے مرنے کے بعد اولاد ماں کے تعلق سے علامہ اقبال کی زبان میں یہہ کہنے کے قابل ہوجائے کہ اے میری پیاری ماں۔

تربیت سے تری میں انجم کا ہم قسمت ہوا ؎ گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزت ہوا
دفترِ ہستی میں تھی زریں ورق تری حیات ؎ تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تری حیات

باب ہشتم

(۱) نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر!

منصف مجسٹریٹ کی اولاد از بطنِ اہلیہ سوم

منصف مجسٹریٹ صاحب نے اپنی عمر کے (۵۱) ویں سال کے ختم پر اہلیہ سوم سے شادی کی تھی اس لحاظ سے ملازمت کے صرف دس سال باقی تھے۔ اس دس سالہ مدت میں بلا وقفہ اولاد جنم دینے کی مہم کمکنہ جلدی سے جاری رہی۔ کوئی سال ناغہ ہی نہ ہوتا تھا جبکہ بیٹے اور بیٹی کا اضافہ یا کوئی حمل ساقط نہ ہوتا ہو۔ وظیفہ تک آٹھ ۸ بچے پیدا اور دو تین حمل ساقط ہوچکے تھے۔ دو لڑکوں کے انتقال کی وجہہ سے چھ بچے بقید حیات تھے۔ بعد وظیفہ منصف مجسٹریٹ پانچ سال تک یعنی ساٹھ ۶۰ سال کی عمر تک گھر میں بیٹھے رہے اس دوران پانچ بچے تولد ہوئے، تین لڑکیاں انتقال کرگئیں، ایک لڑکی اور لڑکا زندہ رہے، اس وقت تک کے زندہ بچوں کی تعداد آٹھ ہوگئی تھی، ساٹھ سال کی عمر کے بعد منصف مجسٹریٹ صاحب منصفی جاگیر کلیانی شریف لے گئے یہاں دو لڑکے تولد ہوئے اسطرح

تعداد زندہ رہنے والے بچوں کی دس ہو گئی۔ آخری لڑکا بعمر (۶۸) سال منصف مجسٹریٹ صاحب کو تولد ہوا تھا جبکہ اہلیہ سوم چالیس سال کی تھیں زندہ لڑکے اور لڑکیاں حسب ذیل تھیں۔

(۱) سعید (۲) فاطمہ عرف محمدی (منعیدی بیگم) (۳) احمدی بیگم (۴) انوری بیگم (۵) اصغری بیگم (۶) جیلانی (۷) جعفری (۸) اکبرالدین (۹) وقارالدین (۱۰) غازی الدین کمال

فوت شدہ اولاد۔ (۱) حسینی بادشاہ (۲) غوث (۳) مشتری (۴) حیدری (۵) رشیدی۔

اس اثناء میں منصف مجسٹریٹ صاحب جاگیر کی نوکری دختر کلاں کی وجہ سے جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے چھوڑ چکے تھے۔ منصف مجسٹریٹ صاحب کی خواہش مزید بچوں کو جنم دینے کی تھی لیکن اہلیہ سوم نے انکار کر دیا۔ چونکہ وہ نوکری چھوڑ دینے سے ان پر خفا تھیں اور جو بچے زندہ تھے ان کی ادائی ذمہ داریوں سے بھی پریشان۔ اہلیہ سوم کے انکار پر منصف مجسٹریٹ صاحب نے ایک ہنگامہ بپا کر دیا جو افسانہ بن کر سب کے سامنے منظر عام پر اس عمر میں آگیا۔ وہ گھر چھوڑ کر نکل جانے اور درگاہ شریف میں رہ جانے کی دھمکیاں دینے لگے۔ اب اہلیہ سوم چٹان کی طرح اٹل ہو چکی تھی۔ ورنہ منصف مجسٹریٹ بڑے مزے سے ایک دو کا اور مزید کم از کم ـــــ اضافہ کرنے اٹل تھے۔ اس ضعیفی میں گھر سے نکل جانے کی دھمکیاں اہلیہ سوم پر اثر نہ کر سکیں۔ اس ضعیفی میں جاتے کہاں؟ صبر کر کے خاموش ہو رہے اور نا ہنجار اولاد میں اضافہ نہ کر سکے جیسا کہ آگے آئے گا زندہ اولاد میں سے کس کس نے مذہب کا مذاق اڑایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی حد کر دی اور شیاطین کی چکر میں پڑ کر ایمان سے محروم اور شیاطین کے پجاری بن گئے، بقول علامہ اقبال

رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید ؛ ضمیر پاک و خیال بلند و ذوق لطیف

ناقابل معافی بھیانک گناہ عظیم

حافظ پر طرائف کا سہارا لیکر ظلم کرنے پر شاید اسکی بددعائیں ساتھ ہو گئیں تھی یا بہن کو زنا میں مبتلا کرنے کا عذاب منصف مجسٹریٹ صاحب کو تہر بن کر لپٹ گیا تھا کہ وہ عجیب و غریب ناقابل معافی گناہ کا ارتکاب کرنے لگے تھے۔ منصف مجسٹریٹ صاحب کو تصاویر جمع کرنے کا بہت شوق تھا۔ کافی ذخیرہ تصاویر کا جمع کر لیا تھا یہ جانتے ہوئے کہ تصویر کھینچنی اور رکھنی منع ہے۔ انتہا یہ ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شبیہ مبارک (تصویر) اور حضرت علیؓ، امام حسنؓ، امام حسینؓ و دیگر کئی بزرگان دین کے تصاویر بھی لا کر رکھ لئے تھے، خاص خاص لوگوں کو دکھاتے اور کہتے کہ ایک مصور نے ان سب کو خواب میں دیکھا اور بعینہ تصاویر بنائی ہیں۔ یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی۔ خواب میں دیکھنے کی ضرورت

ہی کیا جبکہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک کتابوں میں درج ہے ۔ گناہ عظیم تو اس ہستی کی تصویر بنانا ہے جس کا سایہ زمین پر نہ پڑتا ہو ۔ کسی شاعر نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں خوب کیا ہے ___ جس کا سایہ نہ ہو اسکا ثانی کہاں ؟ ۔

ان تصاویر سے انکی اہلیہ سوم متفق نہ تھیں وہ اسکو باعث تباہی اور گناہ عظیم سمجھتی اور سمجھاتی رہی ۔ جاگیر کی نوکری بڑے فرزند کی عاشقی ، مفسدی بیگم کے بجائے فسادات دیگر لڑکیوں کی شادی کے اسباب نہ ہونا دیکھکر وہ ان تصاویر کو گھر سے نکال دینے کا مطالبہ کرتی تھی ۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ ان تصاویر کو کسی باؤلی میں ڈال دیا جاتا ۔ لیکن منصف مجسٹریٹ صاحب کسی اور کو گناہ میں مبتلا کرنے پر اتر آئے ۔ ایک دن وہ نواب شوکت جنگ کی ڈیوڑھی گئے ۔ نواب صاحب بھی کبھی کبھار ملنے آتے تھے ۔ نواب صاحب کو تصاویر کی حقیقت اور اس کا تقدس سمجھایا ۔ وہ نوابی بھیجہ سر میں رکھتے تھے سمجھا کہ لائق اور خاندانی اس قدر لمبی ڈاڑھی رکھنے والا عالم و مولوی جو سمجھا رہا ہے بالکل صحیح ہوگا ۔ گھر آکر تصاویر سر پر رکھکر لے گئے ۔ چند سال بھی ان پر نہ گزرے تھے کہ وہ تباہی کا شکار ہوکر برباد ہوگئے اور خود منصف مجسٹریٹ صاحب کی اولاد کس طرح توہین رسولؐ کے عذاب میں مبتلا ہوئی آگے آئے گا ۔ اسلئے علامہ فرماتے ہیں ۔

عشق می گوید کہ اے محکوم غیر ۔ سینہ تو از بتاں مانند دیر

ترجمہ : عشق کہتا ہے کہ اے غیراللہ کے محکوم و غلام ترا سینہ بت خانے کی طرح بتوں سے بھرا ہوا ہے ۔

(۲) نبض موجودات میں پیدا حرارت اس سے ہے (علامہ اقبال)

اولاد کی پیدائش کا مقصد

پہلے تو ہمیں غور کرنا چاہیئے کہ دنیا کی پیدائش کا مقصد باری تعالیٰ کا کیا ہے اور پھر انسان کو عالم وجود میں لانے کی غرض و غایت کیا ہے ۔ یوں تو مشرک کافر ، منافق سب ہی اس دنیا میں نظر آتے ہیں لیکن انسانوں میں اشرف وہی ہوگا جس نے صداقت اور وحدانیت کو سینے و دل میں بسالیا اور اسکی حفاظت کی ۔ باطل کو مٹایا ۔ حق کے نام کو جگایا ، باطل کے جھنڈے کو گرایا ، توحید کے پرچم کو لہرایا ۔ ایسی ذات ایسی ہستی صرف اللہ کے رسول محمدؐ مصطفےٰ کے غلام ہی کی ہوسکتی ہے جو بنام " مسلم " عالم وجود میں آتا ہے ۔ علامہ اقبال دنیا اور مسلمان کی پیدائش کے مقصد کو یوں اجاگر کرتے ہیں ۔

ہم نشیں مسلم ہوں میں توحید کا حامل ہوں میں ۔ اس صداقت پر ازل سے شاہد عادل ہوں میں

نبض موجودات میں پیدا حرارت اس سے ہے ۔ اور مسلم کے تخیل میں جسارت اس سے ہے

حق نے عالم اس صداقت کیلئے پیدا کیا ؛ اور مجھے اسکی حفاظت کیلئے پیدا کیا
دہر میں غارت ہے گر باطل پرستی میں ہوا ؛ حق تو یہ ہے حافظ ناموس ہستی میں ہوا
تیری ہستی پر ہین عریانی عالم کی ہے ؛ مرے مٹ جانے سے رسوائی بنی آدم کی ہے
قسمت عالم کا مسلم کوکب تابندہ ہے ؛ جسکی تابانی سے افسوں سحر شرمندہ ہے

جب قیام دنیا اور پیدائش انسان دونوں کا مطلب و مقصد سامنے آگیا تو اس مقصد توحید کو برقرار رکھنے باطل سے دنیا کو مٹانے انسان کو اولاد کی ضرورت لاحق ہوتی ہے لہذا قیام دنیا تک نئی نسل کا آنا ضروری ہے چونکہ دنیا کا قیام فنا پر رکھا گیا ہے ۔ تغیرات اس دنیا کی فطرت اور مقدر بنا دیئے گئے ہیں لہذا موجودہ نسل جب بعد فرائض کار فنا ہوتی یعنی عدم آباد پہنچ جاتی ہے تو نئی نسل کو اپنی پشت و کوکھ سے جنم دیجاتی ہے' بس یہی نسل اولاد کہلاتی اور توحید کا ڈنکا بجانے میں مصروف ہو جاتی ہے ۔ دنیا میں اولاد کو اللہ والے بھی جنم دیتے ہیں ریاکار اور پکے دنیادار بھی مشرک اور کافر بھی ۔ صرف اللہ والے جب اولاد کے لئے بیوی سے ملتے ہیں تو باوضو اور اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ اولاد صالح اور توحید اور دین کی حفاظت کے لئے عطا ہو ۔ ریاکار دنیادار' مشرک اور کافر اولاد جنم دیتے ہیں صرف دنیوی خواہشات اور جذبہ شہوت کی تکمیل کے لئے اور اپنے بعد چند سے ان کا نام رہے اور ان کی دنیوی دولت کی وہ وارث بنے ۔ صرف تھوڑے دولت عارضی ظاہری سکون جو قلب مطمئنہ سے محروم رہ کر حاصل ہو تو بس ان کے لئے کافی ہے ۔ ان کی اولاد ان کے اوصاف قبیح یعنی ریاکاری شرک اور شیاطین کی پوجا اور شیاطین کے سامنے سر جھکانے میں ان سے کبھی آگے رہتی ہے ۔ علامہ مسلمان بن کر رہنے اور اللہ کے سوا کسی اور کے سامنے سر جھکانے کے بارے میں فرماتے ہیں ۔

وہی سجدہ ہے لائق اہتمام ؛ جس سے ہر سجدہ ہو تجھ پر حرام

پرانے لوگ ایک حدیث سناتے ہوئے کثرت اولاد پر یوں فخر کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اولاد کو قتل مت کرو ۔ میں قیامت کے دن اپنی امت کی کثرت پر فخر کرونگا ۔ بس یہ سنایا اولاد جنم پہ جنم دیتے گئے ۔ نہ اولاد کی تربیت کا خیال نہ ان کے فرائض کی تکمیل کا احساس ۔ اولاد جنم دی انہیں کفر اور شرک سے ہمکنار اور اسلام سے دور کر دیا' کفر پھیلاتے شرک کا جھنڈا اٹھانے تو ان کے ہاتھوں میں طاقت و قوت نظر آتی ہے مگر توحید کا پرچم لہرانے ان کے ہاتھ بے زور نظر آتے ہیں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی امت کی کثرت پر بروز قیامت فخر کر سکیں جن کے بارے میں حکیم الامت یوں نقشہ کھینچتے ہیں ۔

ہاتھ بے زور ہیں الحاد سے دل خوگر ہیں ؛ امتی باعثِ رسوائی پیغمبر ہیں
بت شکن اٹھ گئے باقی جو رہے بت گر ہیں ؛ تھا ابراہیم پدر اور پسر آزر ہیں
بادہ آشام نئے بادہ نیا خم بھی نئے ؛ حرم کعبہ نیا بت بھی نئے تم بھی نئے

جو اولاد توحید کا پاس نہیں کرتی اللہ کے رسول کی توہین کا سبب و موجب بنتی ہے ایسی اولاد کے بارے میں شاعر مشرق فرماتے ہیں ۔

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر!
نغمہ ہے سودائے خام خون جگر کے بغیر!

نتیجہ و نصیحت مسلمانوں پر لازم آتا اور ان کا فرض بنتا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو دنیاوی عہدوں ہی کے لئے نہیں بلکہ توحید کا پرچم لہرانے کے لئے پیدا کریں ۔ اور شیاطین کی پوجا سے انہیں بچائے ۔

باب نہم

(۱) عدل ہے خاطر ہستی کا ازل سے دستور (علامہ اقبالؒ)

بدرو بیگم کی اولاد کے ذریعہ انتقام لینا قدرت کا شیوۂ انصاف

منصف مجسٹریٹ صاحب کے بڑے فرزند سعید اب گریجویٹ ہو چکے اور اب وہ ان کی ضعیفی کے سہارے اور عصا پیری تھے اور ماں اور باپ کی آنکھوں کا وہ نور جس کے ذریعہ وہ گھر کو نورانی بنانے کے خواب دیکھ رہے تھے ۔ قدرت کو منصف مجسٹریٹ سے اس گناہ عظیم کا بدلہ لینے کے سلسلے کو جاری رکھنا تھا ۔ حافظ کی بددعائیں برابر تعاقب کر رہی تھیں ۔ مظلوم کی آہیں ہمیشہ کسی نہ کسی انداز سے بعیانک روپ لیکر ظالم سے انتقام لیتی ہی رہتی ہیں ۔ حافظ صاحب ـــ بدرو بیگم ۔ ازروئے شریعت نکاح منصف مجسٹریٹ صاحب کا عالم شباب ۔ ایک طوائف سے میل جول ـــ غلط درخواست ۔ حافظ کی پٹوائی ۔ غیر صحیح انداز سے طلاق کا حاصل کرنا ۔ بہن بدرو بیگم کا حفیظ الدین سے غیر شرعی انداز سے بغیر مدت عدت گزرے شادی ۔ گویا بہن کو تمام عمر مبتلائے زنا رکھنا ـــ ناجائز اولاد کی

پیدائش کا سبب بنا۔ گو بدنصیب بدرو بیگم بصورت مجبوری زنا میں مبتلا رہ کر دنیا سے چل بسی مگر اسکی ایک بیٹی گوری بیگم اب گویا ماں کا انتقام لینے مع اپنی بیٹی "جینا" کے ناگن کا روپ لئے منصف مجسٹریٹ صاحب کو عالم ضعیفی میں ڈسنے بڑھ رہی تھی ـــ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمانہ کتنی ہی تیز رفتاری کے ساتھ وقت کے پر لگا کر اڑے مگر بعض گناہ کبیرہ ایسے ہوتے ہیں جس کے اثرات زمانہ کی تیز رفتاری کے باوجود نیست و نابود نہیں ہوتے بلکہ انتقام پر انتقام لیکر انتقام کی زنجیر کی سی شکل اختیار کر جاتے ہیں۔

(۲) عشق کی تیغ جگر دار اڑائی کس نے (علامہ اقبال)

منصف مجسٹریٹ صاحب کی بہن بدرو بیگم کی ایک دختر گوری بیگم تھی۔ یہ کم عمری میں ایک ہندوستانی گھرانے میں بیاہی گئی تھی، لہذا ہندوستانی انداز و لہجہ گفتگو کا اختیار کر لیا۔ ایک بیٹی اور دو بیٹے ہونے کے بعد بیوہ ہو گئیں۔ بہت ہی شوخ و چنچل طبیعت پائی تھی۔ انداز گفتگو اور انداز ملاقات بہت ہی شوخ اور بے تکلفانہ ـــ تمام خاندان کے نوجوان لڑکوں سے گلے ملتی۔ خاندان کے تمام نوجوان اس کے گھر کو شہد کا چھتہ اور اپنے آپ کو شہد کی مکھی سمجھ کر اسکے گھر موجود رہتے ـــ گوری بیگم کی ایک لڑکی تھی "جینا"۔ جینا کے شباب نے آنکھیں کھولیں بھی نہیں کہ عجیب مستانہ ماحول بن ـــ گویا، چودھویں کے ماہتاب نے بچپنا کے ابر کی چادر سے جب اپنا سر نکال کر شباب کے آسمان کو دیکھا تو اسے اپنے اطراف ستاروں کی محفل نظر آئی ـــ مستانہ فضا ـــ دلفریبی و مستی لیا ہوا جوبن ـــ بانکی ترچھی نگاہ ـــ البیلی وضع ـــ الھڑ جوانی دیکھکر خاندان کے تمام نوجوان اپنا دل تھام کر رہ جاتے ـــ جینا کی البیلی جوانی نے انگڑائی بھی لی تو عجیب مسکراتے ماحول میں ـــ معشوق ایک ـــ عاشق ہزار ـــ مگر عاشق صرف عاشق ہی رہنا چاہتے تھے اور معشوق کو صرف معشوق ہی بنائے رکھنا ان کا مقصد زندگی تھا چونکہ ان کے والدین راستے میں حائل تھے۔ جینا کی ماں گوری بیگم کا یہ خواہش تھی کہ ان نوجوانوں میں سے کسی ایک کو اپنی جال میں پھنسا کر عاشق و معشوق کے رشتہ کو میاں و بیوی کے رشتہ میں بدل دے۔ اس مقصد کی تکمیل کے لئے گوری بیگم نے ہر ممکنہ حربہ کو آزمایا حتی کہ جادو کے حربے سے بھی کام لینے گریز نہیں کیا۔ آخر اس غریب پر یہ کہاوت و مثل صادق آگئی کہ "البیلی نے پکائی کھیر، دودھ کی جگہ ڈالا پنیر، یعنی بے ڈھنگے پن نے کام بگاڑ دیا، کچھ کا کچھ کر دیا۔ کسی نوجوان کے والدین نے بھی جینا کو اپنے گھر کی زندگی یعنی بہو بنانے حامی نہ بھری۔ جس بیوہ کے ہاں جہیز کا فقدان ہو۔ نہ دولت کا آفتاب سسرال کو اپنی گرمی سے نہ گرما سکے، وہاں صرف حسن کی گرمی

ؔ و چنچل جوانی ایک آہ سرد بن کر رہ جاتی ہے اور زندہ دلی کا انداز قابل قبول نہیں بلکہ بدنامی، رسوائی
سباب بن کر بد کرداری کا لیبل لگا دیتا ہے۔ بہر حال کچھ بھی ہو منصف مجسٹریٹ صاحب کے بڑے
رسعید نے بھی اپنا نام یہاں عاشقوں کی لمبی فہرست میں سر فہرست لکھوا دیا تھا۔ یہہ واحد عاشق
مجنوں نے جینا کو اپنے جینے کا سہارا بنا لینے کا تصفیہ کر لیا تھا مگر ماں باپ کی رضامندی حاصل کرنے
م گوری بیگم پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ اپنے ماموں اور مومانی کو خود راضی کر لیں۔

(۳) سلسلۂ روز و شب نقش گر حادثات

(علامہ اقبال)

بن بلوائے مہمان

ایک دن چار بجے کا وقت تھا کہ گوری بیگم اپنی بیٹی جینا اور دونوں بیٹوں وضروری سامان کے ساتھ جسمیں بطور خاص گراموفون
قید مرغیاں بھی شامل تھیں بطور مہمان رہنے بغیر بلوائے اپنے ماموں منصف مجسٹریٹ کے گھر آموجود
ں۔ بیشک رہ روزہ کر اپنی بیٹی جینا کے حسن کے نظارے جسکو سعید تو اس کے گھر جا کر دیکھتے ہی رہتے (۱۵۱)
ان کے والدین کو دکھانے لگیں۔ رات دن گراموفون اپنے کام میں مصروف تھا۔ عاشقی کے ریکارڈ
ستھے۔

پھر سے کہو ذرا ...... مجھے تم سے پیار ہے ... پھر سے کہو ذرا ...... مجھے تم سے پیار ہے ...
کی فضائے عشق و عاشقی کے عطر سے مہک رہی تھی۔ اور ادھر منصف مجسٹریٹ صاحب گھر سے دور
ے حجرے میں اپنی سوانح حیات لکھنے میں مصروف تھے۔ ادھر گوری بیگم اپنے عملیات میں مصروف۔
میں سعید صاحب کے حجرے میں سفید مرغی کو بٹھا کر انڈے دلوا رہی تھی اور مرغی گم ہو جانے کا شور
ر گھر کے بچوں کو محلہ میں بھرا رہی تھی ـــــــ آخر سفید مرغی خود گوری بیگم نے سعید کے حجرے سے
آمد کی اور مرغی اور انڈا لئے خوشی خوشی اپنی مومانی کو دکھایا اور کہنے لگی مبارک یہہ مرغی اور انڈا
ر (سعید کی عرفیت) کے کمرے سے برآمد ہوئے ہیں آپ کو بہت جلد بہو آئے گی اور آپ بہت جلد
ی بن جائیں گی۔ مومانی نے دکھانے کو تو آمین کہہ دیا مگر وہ دادی بننے کے پہلے اپنے تمام بیٹوں کے
یں کی نانی بننے پر غور کر رہی تھی۔ مومانی یہہ نہ سمجھ سکی کہ گوری بیگم عاملوں کے بتلائے طریقوں اور عملیات
مل کر رہی ہے اور سعید کے کپڑے بھی اس کے حجرے سے بغرض عملیات لے لئے ہیں۔

(۴) مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا

(علامہ اقبال)

منصف مجسٹریٹ صاحب کے دل و دماغ پر ضرب کاری

اب منصف مجسٹریٹ صاحب کے فرزند کے عشق کے جنون نے اپنا سر اس قدر بلند کو بھی نظر آنے لگا۔ اب عاشق کی آہیں آ
ہوئیں کہ ماں اور باپ کو بھی سنائی دینے لگیں۔ منصف مجسٹریٹ صاحب کی کمر ٹوٹ گئی۔ اب ان کے
صاحبزادے بلند اقبال نے شاید یونیورسٹی سے گریجویشن کی ڈگری لیتے ہی عشق و عاشقی کی"
میں بغرض پی ایچ ڈی داخلہ لے لیا ہے۔ اب تک صرف ایک بیٹی کی شادی کر پائے تھے
بھی عذاب بن کر سر پر سوار تھی۔ ابھی چار بیٹیاں شادی کے لئے مایوس و ناامید بیٹھیں بڑے
کمانے کا انتظار کر رہی تھیں۔ چار لڑکے زیر تعلیم اور بڑے بھائی کو باپ کی جگہ سمجھ رہے تھے۔ ان
کی سن لی۔ ماں باپ کی امیدوں کے سہارے بہنوں اور بھائیوں کی امیدوں کے مرکز اب محکمہ مالگ
عطیات میں بفضل خدا نوکر بھی ہو چکے۔ مگر اب دریا نے اپنا رخ اعظم پورہ جینا کے محلہ کی طرف :
منصف مجسٹریٹ صاحب نے آہ سرد بھری اور بیٹے کا تصور کئے کہا۔

مجھے آہ و فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا ؎ تھم اے رہرو کہ شاید پھر کوئی مشکل

اب فرزند کلاں کی غیبتوں کا آغاز

اب تک شوہر کی غیبتیں کرتے کرتے عادی ہو
ماں نے جب فرزند کو عاشقی کے پر لگا کر اڑتے د
تمام خواب چکنا چور ایک شیشہ کے محل کی طرح ہو
سے آنسو رواں اور اب فرزند کلاں کی ہر ایک
سلسلہ بجائے چارہ جوئی کرنے کے شروع ہوا۔ "آہ ۔ کیا امیدوں سے پالا تھا۔ کسی
ہوں نہ ہوں عید کو ٹوئیڈ کی شیروانی بنانے کے بجائے معمولی شیروانی بنانے پر کہتا تھا یہ عید ہے
سب بچوں کا حق مار کے اسکو اس کے حسب دلخواہ کپڑے بنائے جاتے رہے اور تعلیم پر
روپیہ بہایا جاتا رہا۔ نوکر ہونے کے بعد ماں کو ایک ساڑی بھی نصیب اب تک نہ ہو
سکے لئے اب تک کچھ کیا۔ چھوٹے بھائی بہنوں کی نظروں میں بڑے بھائی کی عزت
منصف مجسٹریٹ صاحب اپنی اہلیہ کی آنکھوں سے گنگا جمنا بہتے دیکھ کر آپے سے باہر
کہتے اس بدبخت کی جنم پتری میں لکھا تھا یہ سپوت نہیں کپوت ہوگا واقعی کپوت نہ
اپنی چال نہ بدلی تو ایک دن عاق کر دونگا۔

علم نجوم

منصف مجسٹریٹ صاحب علم نجوم جسے مذہب میں منع کیا گ

قائل تھے اپنی جنم پتری بھی ان کے پاس تھی اور بیٹے کی جنم پتری دیکھکر برہم ہوتے جارہے تھے۔ ان ستاروں پر بھروسہ کرنے کے تعلق سے علامہ اقبال کہتے ہیں۔

ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا ؛ وہ خود فراخئ افلاک میں ہے خوار و زبوں
ترے مقام کو انجم شناس کیا جانے ؛ کہ خاک زندہ ہے تو تابع ستارہ نہیں
نہ ستارے کا گردش نہ بازئ افلاک ؛ خودی کی موت ہے تیرا زوال نعمت و جاہ

(۵) عشق پہ بجلی حلال عشق پہ حاصل حرام (علامہ اقبال)

سعید میاں کا میدان عاشقی

اب سعید میاں عاشقی کی زمین پر بے تحاشہ بھاگ نہیں رہے تھے بلکہ آسمانِ عشق پر اپنی پوری قوت سے پرواز میں مصروف تھے۔ بقول حفیظ جالندھری حال یہ تھا کہ۔

جوانی آگئی عشق آگیا بیچارگی آئی ؛ نئی وارفتگی آئی۔ نئی آوارگی آئی
لباس حسن میں شیطان کی پرچھائیاں دوڑیں ؛ مذاق عاشقی بن کر اب رسوائیاں دوڑیں
پری بن کر بلا آئی اڑا کر لے چلی اسکو ؛ سر بازار رسوائی اٹھا کر لے چلی اسکو
پرانی وحشت اُچھلی تازہ مجنون ہوگیا پیدا ؛ سواد نجد میں اک اور مجنوں ہوگیا پیدا
یہ مشت خاک تھی گویا بگولہ جوش وحشت کا ؛ ہوس تھی اور وہ تھا اور بھرلا خود پرستی کا

سعید میاں حفیظ جالندھری اور غالب کے اشعار ہی کے مصداق بنے ہوئے تھے کہ

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی ؛ اب آبروئے شیوہ اہل نظر گئی

اور علامہ اقبال کا مبنی بہ حقیقت فلسفہ عشق اس کی عقل سے یا تو بالا تھا یا پھر وہ عشق کے مقام اعلیٰ کو سمجھنے سے قاصر تھے اور علم کی دنیا میں رہ کر عشق کو پرکھنا چاہتے تھے۔

عشق پہ بجلی حلال عشق پہ حاصل حرام ؛ علم ہے ابن الکتاب عشق ہے ام الکتاب
شرح محبت میں ہے عشرت منزل حرام ؛ شورش طوفاں حلال لذت ساحل حرام
عشق سکون و ثبات عشق حیات و ممات ؛ علم ہے پیدا سوال عشق ہے پنہاں جواب
عشق کی تیغ جگر دار اڑالی کس نے ؛ علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی
اک جنوں ہے کہ باشعور بھی ہے ؛ اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں

یہ بوالہوس عاشق، بھائی بہن کی محبت سے بے خبر اور ماں باپ کی محبت سے ناآشنا فرائض منصبی سے

غافل ماں اور باپ بھائی اور بہن کی محبت کی دنیا کو اپنے۔ لئے بقول حضرت اقبال بہشت نہ سمجھ سکا یہ آداب فرزندی سے غافل بقول شاعر مشرق ؎

تری نگہ میں ابھی شوخی نظارہ نہیں ؛ یہیں بہشت بھی ہے حور و جبرئیل بھی ہے
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آداب فرزندی ؛ یہ فیضان نظر تھا یا مکتب کی کرامت تھا

(۶) کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری (علامہ اقبال)

عاملوں کے گھر کے چکر

منصف مجسٹریٹ صاحب بیٹے پر خفا ہو کر آہ و بکا اور بد دعائیں دینے میں مصروف تھے اور ان کی اہلیہ محترمہ بیٹے کی غیبتوں اور گنگا جمنا بہانے میں مصروف تھیں ۔ دختر کلاں منفردی بیگم جو بعد شادی جادو کرنے اور کروانے میں ماہر ہو کر عاملوں کے گھر کو کعبہ سمجھ کر (نعوذ باللہ) ان کے گھر کے طواف کرنے میں ماہر ہو چکی تھیں۔ سمجھایا یہ رونے آہ و بکا کرنے کا وقت نہیں فوری جادو و کرتوت کے اثرات کو ضائع کرنے عامل کے پاس جانے کا وقت ہے دیوانے بابا کی بڑی شہرت ہے جو سکندر آباد کے کنٹہ کے پاس رہتے ہیں۔

اب منصف مجسٹریٹ صاحب گھر سے سات میل کا فاصلہ طے کر کے اہلیہ کو لئے جاتے اور سات میل کا فاصلہ طے کر کے اس عالم ضعیفی میں آتے ۔ دیوانے بابا نے جس قدر اپنا جیب گرم کرنا تھا کر لیا ۔ پھر حاضرات لگوائی اور کہا فلاں مقام پر کرتوت کی گئی ہے، نکالنا اور اس کے اثرات کو ضائع کرنا ہوگا اور فرمایا اس قدر اخراجات درکار ہونگے۔ قسمت کے مارے ضعیف والدین کرتے تو کیا کرتے ؟ جو کہا حاضر کیا۔ دیوانے بابا نے معقول رقم لیکر ایک ایک مقام پر انہیں لیجا کر ایک جگہ کھودی اور ایک پتلا جس پر لیمو اور ببول کے کانٹے لگے ساتھ میں ا[illegible] رکھا تھا نکالا، پتلے کو سعید میاں کی بنین پہنائی تھی جس کی تصدیق ماں باپ نے کی ۔ اب دیوانے بابا نے کچھ چیزیں دیں کہ یہ جادو ہے ہیں، یہ کھانے میں ملا کر آپ کے صاحبزادے کو کھلادو وہ جینا سے نفرت کرنے لگے گا۔ اور آپ کا ہو جائے گا۔ دیوانے بابا کی کرامت دیکھکر منصف مجسٹریٹ صاحب اور ان کی اہلیہ محو حیرت ہو کر رہ گئے۔

ایک دن پتہ چلا کہ یہ "دیوانے بابا" نہیں بلکہ "بڑے سیانے بابا" تھے گوری بیگم سے روپیہ لیکر سعید مرغی سے انڈا دلوا کر سعید کا جسم کا کپڑا منگوا کر پتلا گوری بیگم کے سامنے

کسے ایک جیب گرم کر دیا تھا اور عاشق کے عشق کو تیز کر دیا پھر منصف مجسٹریٹ صاحب
پیسہ لیکر دوسرا جیب گرم کرتے اس پتلا کو نکالا اور عاشق کے عشق کو مدہم کر دیا۔ اسلئے
یال فرماتے ہیں۔

خدا وندا یہ ترے سادہ دل بندے کدھر جائیں ؛ کہ درویشی بھی عیاری ہے سلطانی بھی عیاری

آج کل زوال پذیر مسلمان قوم اور خصوصاً عورتیں عاملوں اور مرشدوں کے گھر کو کعبہ سمجھ کر ان کے
گھانے میں مصروف ہیں۔ کوئی جادو کرواتی ہے کوئی دفع کرواتی ہے۔ مرد پر خفا ہوئے عامل،
مر پر ہوئے عامل، ملازمت کے لئے عامل، ترقی کے لئے عامل، بہو ساس پر خفا ہوئی عامل،
ہو پر خفا ہوئی عامل، زوال پذیر قوم کا روپیہ اس طرح برباد ہوتا ہے۔ قرآن مجید
متعلق میں اللہ پاک فرماتے ہیں جادو گنڈے کرنے والی عورتوں، شر اور حسد کرنے والی
سے اللہ کی پناہ مانگو۔

(۷) وہ فرائض کا تسلسل نام ہے جس کا حیات (علامہ اقبال)

انسان کے سن شعور کو پہنچنے کے ساتھ ہی اس کی پیدائش کے مقصد کا آغاز ہوتا ہے اور
دو قسم کے فرائض و ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں۔ اللہ پاک کے حقوق ادا کرنا حقوق العباد یعنی
بندوں کے حقوق ادا کرنا ۔ اللہ پاک کے حقوق اگر بندہ ادا نہ کرے اور شرمندہ ہو کر اشک
بہائے چاہے تو رحیم و کریم غفور ذات بلاشبہ بندہ کو معاف کر دیگی لیکن بندہ کے حقوق ادا نہ کئے اور
تکلیف دی تو اللہ پاک قدرت والے ہوتے ہوئے فرماتے ہیں "میں معاف نہیں کر سکتا
حق ادا نہ کیا گیا ہے وہ ہی معاف کرے" گویا یہ اللہ پاک کا انصاف ہوا۔

سعید کو ماں باپ نے پڑھایا جوان کیا جب ماں باپ بھائی بہن کے حقوق ادا کرنے کا وقت
آیا بے حسی بلکہ بے حیائی کا برقعہ پہن کر اپنے نفس ہی کو سب کچھ سمجھ بیٹھا اور فرائض کو یکلخت نظر انداز
ماں باپ کے دل و دماغ پر یہ ضرب کاری تھی اب انہوں نے سوچا کہ خود ہی ہمت کر کے
چار بیٹوں میں سے دو بیٹوں کو اٹھا دینا چاہئیے۔

منصف مجسٹریٹ صاحب کو ہر چیز کو فروخت کرنے کی عادت تھی اہلیہ سوم کے زیورات
ایک کر کے فروخت کر دئے تھے اگر وہ رکھتے تو پانچ بیٹوں کی شادی کے لئے کفالت
۔ دو مکانات سفالی تھے وہ بھی ڈھائی ہزار میں فروخت کر کے رقم ٹپہ خانہ میں رکھا دی تھی

اور آہستہ آہستہ آسمیں سے لیتے رہے تھے کہ ڈیڑھ ہزار رقم رہ گئی ۔ اہلیہ سوم پریشان ہوئی اپنے ایک رشتہ کے بھائی کو کہہ کر ایک مکان اس رقم سے محلہ خلوت میں لے لیا تھا ۔ اب دو بیٹیوں کی شادی کرنے کا تصفیہ کرلیا تو اس مکان کو اپنی بہن صغرا کو جو بیوہ ہونے کے بعد سے دہلی مقیم تھیں اسی رقم " پندرہ سو میں فروخت کرڈالا ۔ اب سوال تھا نسبتوں کا ۔ جیسا کہ اس سے قبل کہا جاچکا ہے منصف مجسٹریٹ صاحب کی ہمشیر دوم کا ایک لڑکا سید میاں اور باپ کے انتقال کے بعد منصف مجسٹریٹ صاحب کے زیر پرورش رہ کر یہیں مقیم تھا ۔ عزیز اقارب تھے نہ اعزا و اقرباء اور سعید کا ہم عمر تھا اور دوست بھی ایک ساتھ رہتے ایک ہی حجرے میں برسوں کے منصف مجسٹریٹ کے پروردہ تھے ۔ سعید نے فوراً ہمشیرہ سوم الوری کے لئے سید میاں کا نام پیش کردیا ۔ سید میاں کو تو سہارا درکار ہی تھا اب دختر دوم کے لئے سید میاں نے ایک نام محبوب علی کا پیش کیا جو ان ہی کی طرح تھے مگر سید صاحب میٹرک تھے اور یہ بی اے پاس کرکے ایم اے میں دینیات اور فلسفہ اسلام لیکر پڑھ رہے تھے ۔ خاندانی اعتبار سے بس اللہ ہی اللہ کا نام تھا ۔ محبوب علی کی ماں نے محبوب علی کے باپ سے طلاق لیکر اپنے ایک رشتہ کے بھائی محمد یوسف مقطعہ دار سے نکاح کرلیا تھا محمد یوسف سے ایک بیٹا غیاث پیدا ہوا جو محبوب علی کا خیف یعنی اخیاتی بھائی تھا ۔ محبوب علی اپنی ماں کے ساتھ گویا بطور جہیز محمد یوسف کے پاس آگئے تھے اور محمد یوسف کے زیر پرورش تھے ۔ عدالت دارالقضاء میں سابق شوہر احمد علی نے محبوب علی کی ماں کو بدچلن ثابت کیا تھا ۔ پھر محبوب علی کی ماں مرجانے پر محمد یوسف نے کریم بی نامی ایک عورت کو یا تو رکھ لیا تھا یا نکاح کرلیا تھا جو ایک سیاہ فام نومسلم دھیڑنی تھی ہاتھوں اور پیشانی پر تنک گونڈہ تھا بلحاظ مذہب نومسلم کا مقام اونچا سہی لیکن سماج میں نومسلم کا مقام ہی کیا ۔ ؟ خصوصاً جبکہ وہ سیاہ فام گونڈہ والی ہو ۔ اب اسی عورت کو منصف مجسٹریٹ صاحب کی سمدھن بن کر آنا اور ان کی دختر دوم احمدی کو لیجانا تھا ۔ پھر محبوب علی کو بابا شرف الدین کی درگاہ میں بیٹھکر وظائف و عملیات پڑھنے کا شوق تھا دو مرتبہ پڑھ پڑھ کر دیوانے بھی ہوگئے تھے ۔ محبوب علی ہوکر سید میاں دونوں بیروزگار تھے ۔ محبوب علی کو مع بیوی کے محمد یوسف کو پالنا تھا اور سید میاں کو تو منصف مجسٹریٹ صاحب پرورش کرہی رہے تھے اور ان کی بیوی کو بھی بعد شادی اسی طرح سنبھالنا تھا کہ گویا شادی کرکے دی ہی نہیں اور بچے ہونے کے بعد بچوں کو بھی ۔ یہ دونوں اس معیار پر نہ تھے کہ ان کو بیٹیاں دی جاتی مگر بقول علامہ اقبال ۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ؎ جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

منصف مجسٹریٹ صاحب فرزند کلاں سے مایوس ہونے کے بعد اب مجبور ہوگئے تھے ان کی اہلیہ سوم نے سمجھایا کہ

کر رکھنے سے بہتر ہے کہ دو لڑکیاں دونوں کو دے دی جائیں عذاب ہوگا تو بھائی کو ہوگا جو عاشقی کر کے ماں
بھائی بہن کو بھول گیا ہے۔ بہرحال دونوں بیٹیوں کی شادی کر دی گئی۔ سعید میاں تو گھر کے حالات سے
ن تھے وہ تو سمجھے ایک وسیلہ مل گیا مگر محبوب علی نے گڑبڑ مچا دی کہ ایک منصف کے گھر سے کچھ نہ ملا۔ وہ خسر
ہر چل یعنی برطانیہ کے وزیر اعظم کے نام سے پکارتے تھے یعنی بہ معنی مکار یہی محبوب علی اور سعید میاں نے بعد
ال منصف مجسٹریٹ صاحب ان کی اولاد کو ایمانی اعتبار سے تباہ کر کے شیاطین کی پوجا میں لگا دیا۔

منصف مجسٹریٹ صاحب سے ہر ایک پوچھتا آپ نے اپنی بیٹی کیوں محبوب علی کو دی وہ تو آپ کے خاندان
لائق نہیں تو منصف مجسٹریٹ صاحب ایک آہ سرد کھینچتے اور علامہ اقبال کی زبان بن کر کہتے' آنسو اب خود ہی
نک ہو گئے۔ جب سمجھ میں آیا کہ

ذرہ ذرہ دہر کا زندانیٔ تقدیر ہے ؛ پردۂ مجبوری و بے چارگی تدبیر ہے
آسماں مجبور ہے شمس و قمر مجبور ہیں ؛ انجم سیماب پا رفتار پر مجبور ہیں
آنکھ پر ہوتا ہے جب یہ سر مجبوری عیاں ؛ خشک ہو جاتا ہے دل میں اشک کا سیل رواں

---

(۸) زمیں کیا آسماں بھی تری کج بینی پہ روتا ہے (اقبال)

سعید صاحب کی شادی

سعید نے دو بہنوں کو اچھے گھرانے میں دینے کے سلسلے میں تو کچھ نہ کیا۔
دونوں کو قربانی کے بکرے سمجھ کر اپنے مستقبل پر قربان کر دیا۔ ابھی
دو بہنوں کی شادی اور چار بھائیوں کی تعلیم جاری تھی۔ کم از کم ایک
بہن کو بھی اپنی کمائی سے اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔ صاحبزادے بلند
بال پھر آہیں بھرتے اور اڑنے کے لئے پر تولنے لگے۔ ماں باپ پریشان ہونے لگے کہ پھر کہیں جینا کو جینے
کا سہارا نہ بنا لے۔ دوسری اولاد کو خدا پر چھوڑ بڑے فرزند کی شادی کی فکر میں لگ گئے کہ پھر یہ
نو فرزند شیطان کے بہکانے پر گندم نہ کھا لیں۔ اس وقت منصف مجسٹریٹ صاحب (۲۷) کی عمر کو پہنچ
چکے تھے رعشہ اور کمزوری اپنی انتہا پر تھی۔ کوئی ذاتی مکان نہیں' اولاد کی ذمہ داریوں کے لئے کوئی اسباب نہیں۔
فرزند اکبر پر نظریں جمائی رکھی تھیں تو فرزند اکبر "جان میں جان میری جان" کے مقولہ پر عمل کر رہے تھے۔
آخر مجبور ہو کر نسبتیں دیکھیں' ایک ڈاکٹر کی لڑکی کو بیاہ کر لے آئے جو خود سعید کے لئے ایک فرشتہ صفت
بیوی اور ساس خسر کے لئے ایک اپنی بیٹی ثابت ہوئی۔ سعید نے اس بیوی کی کیا قدر کی وہ تو بعد میں آئے گا۔

ماں باپ کے حقوق جو از روئے قرآن اور احادیث تھے سب پر چلیپا کر دیا۔ خاندان والے سعید کا نام آتا تو علامہ کے یہہ اشعار پڑھتے۔

زمین کیا آسماں بھی تری کج بینی پہ روتا ہے ؛ غضب ہے سطر قرآں کو چلیپا کر دیا تونے
فدا کرتا رہا دل کو حسینوں کی اداؤں پہ ؛ مگر دیکھی نہ اس آئینہ میں اپنی ادا تونے

(۹) نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو　　(علامہ اقبال)

داماد محبوب علی نے خسر اور ساس کو سزا دی

سعید کی شادی منصف مجسٹریٹ صاحب کے داماد محبوب علی کے لئے ایک ماتم اور توازن دماغ کے بگڑنے کا سبب بن گئی۔ شادی ہو کر ایک سال سے اونچا عرصہ گذر چکا تھا وہ اپنے سسرال کے حالات دیکھ چکے تھے۔ لیکن ہوس نے انہیں سمجھنے سے باز رکھا تھا۔ انہوں نے بیوی سے کہا۔ میں ایم اے ہوگیا ہوں مجھے یہہ جہیز ملے اور نادر بادشاہ (سعید کا عرفیت) بی اے کو اس قدر جہیز ملے اور اس قدر شاندار شادی ہو۔ جب ایک ڈاکٹر اس معیار کی شادی کر سکتا ہے تو منصف مجسٹریٹ کیوں نہیں کر سکتا؟ - یہہ میری توہین ہے فیصلہ صادر ہوا کہ تمہارے ماں اور باپ تمہاری صورت قیامت تک نہیں دیکھ سکتے جب تک وہ اپنی غلطی کی تلافی نہ کریں۔ ایک ہی گلی میں سو قدم کے فاصلہ پر رہتے ہوئے بیٹی ماں باپ کی صورت دیکھنے سے محروم اور ماں باپ جہیز برائے نام دینے کی سزا میں بیٹی کی صورت دیکھنے ترس گئے۔ چھ ماہ تک یہہ سزا برقرار رہی۔ جب داماد کو معلوم ہوا کہ جہیز میں اب اضافہ ہونے کی توقع نہیں تو سزا میں نرمی کر دی جاکر فیصلہ میں ترمیم ہوئی کہ کبھی کبھار ملنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ یہہ سب ہوس کی غلامی کا نتیجہ تھا۔ علامہ اقبال اسلئے فرماتے ہیں۔

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو
آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور
بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردان حُر کی آنکھ ہے بینا

باب دہم

(۱) حیا نہیں ہے زمانہ کی آنکھ میں باقی (علامہ اقبال)

منصف مجسٹریٹ صاحب پر ایک اور ضرب کاری

مقام حیرت ہے کہ بدرو بیگم کی حافظ سے علحدگی و دیگر گناہ کبیرہ کے اثرات پے در پے منصف مجسٹریٹ صاحب کو زندگی کے آخری دور تک اٹھانے پڑ رہے تھے۔ ایک مصیبت سے نجات بھی نہ ملتی تھی کہ دوسری آفت سماں سا تھا۔ بادشاہ محی الدین اہلیہ سرم کا خالہ زاد بھائی تھا۔ یہ بدمعاش اور آوارہ ہوکر حیدرآباد سے مدراس بھاگ کر برسوں ہو چکے۔ اس بدمعاش اور آوارگی کی یاد خاندان والوں کے ذہن سے بھی نکل گئی تھی۔ اس نے اردو منشی کامیاب کیا اور محمدن کالج مدراس میں بحیثیت لکچرار اردو پڑھانے نوکر ہو گیا۔ جہاں اردو برائے نام رائج تھی گویا یہ اندھوں میں کانا راجہ بنا وہاں اردو کی جائیداد پر قبضہ کیا ہوا تھا۔ یہاں مدراس میں بھی اس کی آوارگی جاری تھی چالیس سال کا ہو چکا تھا شادی نہیں کی۔ عیاشی کو شیرہ زندگی بنایا ہوا زناکاری کی فضا میں سانس لے رہا تھا۔ ایک طویل عرصہ کے بعد مدراس میں اسے حیدرآباد کے عزیز و اقارب یاد آئے۔ کپڑے پہننے کا شائق و شوقین تھا اس قدر کثرت سے کپڑے بنا رکھے تھے کہ رئیس زادہ معلوم ہوتا تھا۔ اب یہ رئیس زادے کے انداز لئے انگریزی و ملائی ملبوسات کی ایک دوکان ساتھ لئے اپنی خالہ زاد بہن اور حقیقی ماموں امیر بادشاہ جو دفتر پیشی حضور نظام میں نوکر تھے آدھمکا اور کالج کے تعطیلات یہیں گزارے۔ سب رشتہ داروں کو اپنے ملبوسات اور طرز زندگی کا جھوٹا ٹھاٹ دکھلا چلا گیا۔ اس کے بعد اس نے ہر سال آنے کا دستور بنالیا اور منصف مجسٹریٹ کی دختر سرم کو اپنی بیٹی کہکر اسکو ہدایت کی کہ وہ اسے "بابا" پکارا کرے۔ چنانچہ اسے بابا پکارتی اور بابا کے القاب سے خطوط لکھتی۔ ایک سال وہ جبکہ چالیس سال کا ہو چکا تھا۔ ایک عورت بدرنالی جو بڑی چالو اور عیاشی معلوم ہوتی اور بھرے ذات کی تھی لے آیا اور کہا کہ وہ اس کا دوسرا شوہر ہے پہلے شوہر کی لڑکی بارہ سالہ بھی ساتھ تھی۔ یہ غضب کی چالو معلوم ہوتی تھی دن تمام اور رات سونے تک سگریٹ ہاتھ میں رہتا۔ کوئی فلم دیکھے بغیر چین نہ آتا۔ حیدرآباد میں تو بادشاہ محی الدین کا اس معشوق نے شراب کو ہاتھ نہ لگایا مگر مدراس کے کلب میں اس کی حالت اور آزادی بے لگام

کا حال یہ تھا بقول حضرت اقبالؒ

بیگانہ رہے دین سے اگر مدرسہ زن ہے عشق و محبت کے لئے علم و ہنر موت

آفت کبھی یکایک نہیں آتی، آنے سے قبل کئی اشارے دیتی ہے۔ مگر افسوس نہ منصف مجسٹریٹ صاحب نے ایسے بدکردار سالے کو گھر میں آنے سے روکا اور نہ انکی اہلیہ سوم اسکی سابقہ زندگی سے واقف رہتے ہوئے اسے گھر میں آنے سے منع کیا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن ایک سوراخ سے دوبارہ داخل نہیں ہوتا۔ یعنی ایک مرتبہ دھوکہ کھانے کے بعد پھر دھوکہ نہیں کھاتا۔

جب دوسرے سال وہ آیا تو اس نے کہا کہ اس نے اس عورت کو چھوڑ دیا ہے۔ اب وہ 45 سال کا ہو چکا تھا۔ اب کی بار وہ آکر دو ماہ بہن کے پاس رہا پھر بازو کے مکان میں اپنے حقیقی ماموں کے گھر میں رہنے لگا۔ جانے کا پتہ نہ تھا ہر ماہ رخصت پر رخصت کی درخواست روانہ کیجاتی رہی۔ بعد ناشتہ وہ ماموں کے گھر سے بہن کے گھر آتا تھوڑی دیر بہن سے باتیں کرتا پھر کہتا ہماری بھتی تو اپنے حجرے میں ہوگی ذرا دیکھ آتے ہیں گیارہ بجے سے چار بجے تک دونوں کمرے میں تنہا رہتے اب سید میاں نوکر ہو چکے تھے دفتر چلے جاتے تھے۔ منصف مجسٹریٹ صاحب کی اہلیہ سوم کی عقل پر پتھر پڑ گئے تھے وہ اس قدر بچے جنم دینے کے بعد بادشاہ محی الدین کی آوارگی سے واقف ہو کر بھی سمجھتی تھی کہ وہ دونوں باپ بیٹی ہیں حالانکہ منہ بولے رشتوں اور متبنیٰ لینے کو اسلام نے منع کر دیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبل از نبوت زید رضؓ غلام کو اپنا بیٹا قرار دیا۔ اور بعد طلوع آفتاب رسالت اپنی پھوپی زاد بہن زینبؓ کا نکاح زید سے کر دیا مگر نباہ نہ ہو سکی آخر طلاق ہو گئی۔ زینبؓ سے آپؐ نے نکاح فرمالیا۔ لوگوں نے پوچھا وہ تو آپ کے بیٹے کی بیوی تھی آپؐ نے فرمایا منہ بولے رشتے حقیقی نہیں ہوتے۔ اس کے بعد متبنیٰ لینے ہی کو اسلام نے ناجائز قرار دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ہرگز کوئی مرد کسی عورت کے ساتھ تنہائی میں نہ بیٹھے (سوائے ذی محرم کے) (مسلم)

حضرت عمرؓ تو اس قدر احتیاط فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ آپ گھر کے باہر ٹہل رہے تھے کسی نے پوچھا "یا امیر المومنین! آپ اتنی رات کو باہر ٹہل رہے ہیں۔ جواب دیا بیوی ہمسایہ میں زچگی کرنے گئی ہے۔ گھر میں جوان بیٹی تنہا ہے اسلئے باہر ٹہل رہا ہوں۔ حضرت عمرؓ کی حالت یہ تھی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے بارے میں فرمایا "عمرؓ کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے"۔

غرض بادشاہ محی الدین اور انوری کے تنہا دن تمام رہنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ انوری اپنے شوہر سید میاں سے نفرت کرنے لگی اب وہ باپ کو خطوط پر خطوط لکھتی یا خود لیجا کر دیتی یا نوکر کے ہاتھ سے باپ کو بھجا دیتی۔

ہر خط میں شوہر کی شکایت اور شوہر سے علحدگی کا مطالبہ حتیٰ کہ اس انوری بیگم نے جو واقعی انوکھی بیگم تھی دو بچے شوہر سے جنم دینے اور اب حاملہ رہنے کے باوجود شوہر پر نامردی کا الزام عاید کیا اور باپ کو لکھا کہ وہ شیر کی چربی عضوِ تناسل پر استعمال کر کے عارضی مرد بنتا ہے۔ تحریر صرف اسکی نظر آتی اور مسودہ کسی پختہ کار کا۔ منصف مجسٹریٹ صاحب بلحاظ عمر توازن دماغ کھو بیٹھے۔ ان کی اہلیہ نے بڑے صاحبزادے کے طفیل عاملوں کے گھر پھرنا سیکھ لیا تھا۔ اب وہ اس مسئلہ کا حل عامل کے ذریعہ حل کرنے گئیں تھیں بہن کو گھر میں نہ دیکھکر بادشاہ محی الدین منصف مجسٹریٹ کے حجرے میں داخل ہوا اور منصف مجسٹریٹ صاحب کے کانوں میں ایسا زہر سید میاں کے خلاف گھولا اور یقین دلایا کہ اگر علحدگی نہ ہو تو چند یوم سے زیادہ انوری زندہ نہ رہے گی۔ منصف مجسٹریٹ صاحب نے کہا ہاں اس نے بھی خط میں ایسا ہی لکھا ہے وہ اس مکار کی باتوں سے متفق ہوتے گئے۔ جیلانی نے دونوں کی گفتگو چھپ کر سنی تھی اور ماں کے آتے ہی ایک ایک لفظ سنادیا۔ اب ماں کا پارہ چڑھ گیا۔ بادشاہ محی الدین کو برا بھلا کہنا شروع کیا اور پھر شوہر پر ایسے بم پر بم برسائے کہ ان کے حواس جلتے رہے اور کہا کہ میں تمہاری مرضی بغیر کوئی کام کرونگی ہی کیسے ؟ منصف مجسٹریٹ صاحب کو تو جاڑا چڑھ گیا اور بخار آگیا۔ بادشاہ محی الدین نے جب یہ ہنگامے دیکھے تو صبح ہی صبح ماموں کے گھر سے مدراس فرار ہوگیا۔ بادشاہ محی الدین کے جانے کے ایک ہفتہ کے اندر انوری اور سید میاں مل گئے مگر اب وہ باہر کے حجرے میں نہیں بلکہ گھر کے اندر کے حجرے میں رہنے لگے۔ خاندان میں اس واقعہ کی ایک ہلچل تھی۔ محبوب علی کا ایک ایک سے یہی کہنا تھا کہ اس نے گمنام خط لکھکر بادشاہ محی الدین کو بھگایا ہے' انوری کی والدہ کو عاملوں کی قوت کا یہ کرشمہ نظر آیا۔ حقیقت خدا جانے' محبوب علی کو ایک اچھا موقعہ ہاتھ آیا تھا' اس واقعہ کو ہر جگہ بیان کرتا بلکہ رنگ دے دے کر اسکے بھگانے میں اپنا ہاتھ ظاہر کرتا۔ اب محبوب علی جب سسرال آتا انوری کو گھور کر دیکھتا اور پان مانگنے پر انوری پان دیتی تو انگلی پکڑ لیتا۔ انوری اور سید میاں محبوب علی سے گھبرا گئے تھے۔ خاموش رہتے اور جیلانی سے کہتے محبوب علی کمینہ ہے بد نیت ہے۔ افسوس نہ انوری گوشہ ہوتی نہ سید صاحب میں ہمت تھی کہ محبوب علی سے گوشہ کرواتا ' وہ تو سید میاں منصف مجسٹریٹ صاحب کے پروردہ تھے اور صاحب خاندان نہیں لاوارث تھے اگر صاحب خاندان ہوتے تو انوری کو قبول ہی نہیں کرتے۔ بادشاہ محی الدین چند سال کے بعد حیدرآباد پھر ماموں کے گھر میں آنے لگا وہ بہن کے گھر میں تو اب رہتا نہ تھا مگر افسوس اسے تھوڑے سال کے بعد تھوڑی دیر بیٹھنے آنے دیا گیا۔ اب انوری اس سے ملتی نہ تھی نہ بابا پکارتی تھی۔ کبھی غائبانہ میں ضرورت پر ماموں بادشاہ کے نام سے کہہ دیا کرتی۔ درحقیقت وہ اس سے نفرت کرنے لگی تھی مگر اسے گھر

میں آنے دیتا ایک زوال پذیر قوم کی خودی کو ظاہر کرتا تھا جس قوم کو زوال آتا ہے اس کی خودی اس کے دل میں باقی نہیں رہتی بقول حکیم الامت

خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے ؛ فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے
ہو اگر خود نگر و خود گر و خود گیر خودی ؛ یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

زوال پذیر قوم جو زندگی ہی میں مر چکی ہوتی ہے اس کے دل میں خودی کہاں اور خودی اسکی خود نگر اور خود گر و خود گیر کیسے ؟ چند سال کے بعد بادشاہ محی الدین اس حال میں ماموں کے گھر آیا کہ فالج کے اثر سے اس کا ایک ہاتھ اور ایک پاؤں گر گیا تھا۔ یہ قدرت کی بڑی عبرتناک سزا تھی، وہ دکھانے کو یا آیا تھا، وہ تو یہ جانتا تھا کہ یہاں اس کی خدمت کی جائے گی مگر اس کی ممانی نے اسکوٹرین میں بٹھا کر مدراس روانہ کر دیا ایک عرصہ کے بعد اطلاع آئی کہ وہ اپنے وجود سے دنیا کو پاک کر گیا ہے۔

جب کبھی بادشاہ محی الدین اور انوری کے واقعہ کا منصف مجسٹریٹ صاحب کے سامنے ذکر آتا تو علامہ اقبال کی زبان بن کر ہر اولاد کے لئے دعا کرتے۔

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی ؛ خراب کر گئی شاہین بچے کو صحبت زاغ !
حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی ؛ خدا کرے جوانی تری رہے بے داغ

(۲) یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو (علامہ اقبال)

سعید کی خودغرضیوں کا فوارہ آسمانوں کی بلندیوں کو بھی احساس پستی دے رہا تھا۔ تھرڈ گریڈ سے پیشکاری کی خدمت پر جا چکے تھے پھر نائب تحصیلدار ہوئے۔ دو لڑکیوں اور ایک لڑکے کے باپ بن گئے مگر بہنوں کو بہن سمجھا نہ بھائیوں کو بھائی۔ اپنی مستی و خودغرضی میں مگن۔ نہ باپ کی گرتی صحت کا خیال نہ دنیا سے باپ کے رخصت ہونے کے نمایاں آثار نظر آتے پر کوئی احساس نہ ماں کی بے بسی پر رحم آیا۔ ان کے برادر دوم اٹھارہ سالہ جیلانی کے دل میں احساس درد و کرب اپنی انتہا پر پہنچ چکا تھا۔ اس نے باپ کا عصا پیری ثابت ہونے، ماں کے درد کا درماں بننے، بہنوں کی شادی اور بھائیوں کی تعلیم میں کوئی رکاوٹ نہ ہو اس کا فیصلہ کر لیا اور مزید تعلیم کا خیال ترک کر کے ملازمت اختیار کر لی، اب اس کی زندگی کا مقصد اور خیالات کا مرکز خاندان ہو کر رہ گیا۔ اس نے بڑے بھائی پر بھروسہ کرنا قطعی چھوڑ دیا اور علامہ اقبال کے اس شعر کو مشعل راہ بنالیا۔

پھرا کرتے نہیں مجروح فکر درماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو

(۳) الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن (علامہ اقبال)

جیلانی ذکر ہو کر اپنی بڑی بہن اصغری کی شادی کی تیاری میں منہمک تھا کہ ایک نیا حادثہ ظہور پذیر ہوا۔ اس کا بھائی ۳ اکبر جو مفید الانام میں پڑھتا تھا اس مدرسہ کے ایک استاد تھے فخر صاحب جو گھر پر علاوہ اوقات مدرسہ حکمت کیا کرتے تھے منصف مجسٹریٹ صاحب ان کے زیر علاج تھے ایک دن چار بجے منصف مجسٹریٹ صاحب نے اکبر کو اپنی کیفیت کہہ کر فخر صاحب کے ہاں سے دوا لانے کہا۔ فخر صاحب دوا دے رہے تھے کہ اکبر نے ان سے کہا مولوی صاحب مجھے متلی معلوم ہو رہی ہے اس کا منشاء تھا کہ کوئی اچھا چورن یا معجون کھانے کو ملے گا۔ فخر صاحب نے اپنی بیٹی کو پکارا۔ نور جہاں! ذرا اکبر میاں کو گندک کا ترشہ ہلکا کر دو۔ ہلکا نے کا مطلب ایک گلاس پانی میں ایک دو قطرے ڈال لینے کا تھا۔ نور جہاں نے اندازہ سے گلاس میں ترشہ ڈالا ذرا سا پانی ملایا اور بھیج دیا۔ اکبر نے جوں ہی پیا۔ خون کی قئے ہوئی۔ فخر صاحب پریشان ہوئے رکشا میں بیٹھا کر سر مغرب گھر لائے اور صحیح صحیح واقعہ کہہ دیا راستے میں بھی قئے ہوئی تھی گھر آتے ہی پھر فخر صاحب کو رخصت کر دیا گیا۔ منصف مجسٹریٹ صاحب اب چلنے پھرنے کے قابل نہ تھے۔ والدہ اور جیلانی اکبر کو خلوت کے حکیم صاحب کے گھر لے گئے۔ شب قدر کی رات جاگنے کی رات تھی عجیب انداز سے جلگتے کٹی۔ خلوت کے حکیم کریم اللہ نے انڈے کی سفیدی میں دوا ملا ملا کر تھوڑی تھوڑی دیر سے کھلائی۔ دو بجے کے بعد خون کی قئے بند ہوئی۔ صبح تک دوا جاری رہی صبح اکبر اس قدر کمزور اور نڈھال ہو گیا تھا کہ اٹھنے کی تک طاقت نہ تھی اٹھا کر گھر لایا گیا۔ اب یہ حالت ہو گئی کہ دودھ موسمی کا عرق جو کچھی پلایا جاتا نصف گھنٹہ کے بعد قئے کے ذریعہ نکل جاتا۔ بچہ کے والد ڈاکٹر عبد الرحیم کے ذریعہ بڑے بڑے ڈاکٹروں کو لایا گیا سب کی رائے دواخانہ عثمانیہ میں شریک کرنے اور ایکسرے لینے کی ہوئی۔ ڈاکٹر بنکٹ چندر کے عام وارڈ میں شریک کیا گیا اب جیلانی دفتر سے رخصت لیکر اس وارڈ میں تمام دن اسٹول پر بیٹھے اسطرح مصروف رہا کہ کبھی دودھ، کبھی موسمی کا عرق، کبھی سیب کا عرق دینا، نصف گھنٹے کے بعد قئے ہوتی تو صاف کرنا، اجابت یا پیشاب آئے تو لیٹے لیٹے کروانا، آب دست اپنے ہاتھ سے کروانا۔ پیجامہ باندھنا وغیرہ، تمام امتحانات طبی ایک ماہ میں مکمل ہوئے، غور کرنے کے بعد رائے ہوئی کہ یہ آپریشن کا کیس ہے۔ معدہ کی نالی پر تیزاب سے جو زخم آئے تھے وہ خشک ہو کر سوراخ کو بند کر دیئے ہیں، ذرا سا سوراخ باقی ہے اسمیں سے ذرا سا قطرہ قطرہ سیال جاتا ہے بقیہ قئے کے ذریعہ نکل جاتا ہے۔ ڈاکٹر بہادر خان کے وارڈ میں منتقل کیا گیا جو اس وقت کے واحد سرجن مانے جاتے تھے۔ پٹھان تھے، چھ فٹ سے زائد اونچے۔ مریض پر خفا

ہوتے تو کہتے تجھے اس دوسری منزل سے نیچے پھینک دونگا ۔ یہاں عام وارڈ کی مشکلات بہت تھے ۔ جیلانی نے دفتر سے ترمنہ نکالا اور کرایہ کے وارڈ میں مریض کو رکھا گیا ۔ آپریشن کے قابل مریض نہ تھا اسکو آپریشن کے لئے تیار کرنا تھا چونکہ خون جسم میں نہ تھا ۔ اس وارڈ کے میل نرس معین الدین تھے، تجربہ کار میل نرس تھے، اب جیلانی نے ان کی پوجا شروع کی، ابتداء چائے پلانے سے ہوئی وہ کہنے لگے، جیلانی میاں فلاں فلم بہت اچھی آئی ہے ۔ پانچ کی نوٹ نذر کی گئی، کبھی کہا تھرماس ٹوٹ گیا ہے نیا لادیا گیا، کبھی سیکل کا ٹائر پھٹ گیا، نیا بدل دیا گیا ۔ خرچہ تو بہت ہوا مگر اس آدمی نے اس وقت آئندہ ہمیشہ وقت پر کام آکر بڑا احسان کیا ۔ ڈاکٹر عارف اللہ قادری لندن سے حال حال میں آئے تھے جو لندن جانے سے قبل سعید کو ٹیوشن پڑھاتے تھے ۔ رائے ان کو گھر پہ دواخانے کا ریکارڈ لیجا کر دکھلانے کی ہوئی ۔ بہرحال بڑی ترکیب سے معین الدین میل نرس کے توسط سے دواخانہ کی رپورٹ ٹکٹ ایکسرے حاصل کیا جاکر ڈاکٹر عارف اللہ قادری کو دکھلانے پر ان کی رائے ہوئی کہ آپریشن ہرگز نہ کروایا جائے ۔ پچاس فیصد خطرہ مول لینا پڑے گا جان کا خوف ہے، اگر بعد آپریشن بچہ بچ بھی جائے تو عمر تمام معدے کا فعل ناقص رہے گا ۔ دواخانہ میں رکھکر ان دواؤں کا استعمال ایک ماہ تک کروایا جائے اور یہہ دوا پانی میں ملاکر پہلے باریک پھر موٹی نلی ربر کی حلق میں ڈال کر روز پیٹ دھویا جائے ۔ انشاء اللہ فائدہ ہوجائے گا ۔ آہستہ آہستہ نلی سے سوراخ کھل جائے گا ۔ ایک ماہ بعد بصورت مجبوری آپریشن پر غور کیا جائے گا ۔ بڑا بھاری علاج تھا ۔ جیلانی نے قرض لیکر دواؤں کا تو انتظام کیا لیکن ڈاکٹر عارف اللہ قادری کے طریقہ علاج کو ڈاکٹر بہادر خان سے کہنے کی ہمت کس کی ہوسکتی تھی ۔ معین الدین میل نرس سے مشورہ کرکے ان کے مددگار ڈاکٹر سید علی اسسٹنٹ سرجن کے گھر پہ بادام کی جالیاں اور دیگر مٹھائیاں میوہ جات جیلانی نے پہونچائے انہیں خوش دیکھکر عرض مدعا کیا انہوں نے کہا "بابائے یہہ کام ڈاکٹر بہادر خاں کے وارڈ میں ہوگا ۔ ؟" جیلانی نے فیس مزید دیکر کہا صرف ڈاکٹر بہادر خان سے یہہ کہدیں کہ آپریشن کے قابل ابھی مریض نہیں ہوا ہے ۔ معین الدین میل نرس تمام علاج حسب ہدایت کرینگے ۔ آپ کی نگرانی رہے گی ۔ وصولی فیس کے ساتھ ہی راضی ہوگئے ایک ماہ کے علاج کے بعد فائدہ نمایاں محسوس ہوا مریض کو گھر پہ لایا گیا اور پھر ایک ماہ تک معین الدین میل نرس گھر پہ آکر پیٹ دھوتے اور انجکشن دیتے رہے آخر اکبر اسکول جانے کے قابل ہوگیا مگر جیلانی کا مزاج بحال ہوگیا ۔ یاد ہوگا کہ جیلانی جب اکبر کی عمر کے لگ بھگ تھا اور ٹائیفیڈ میں چھ ماہ مبتلا اور بستر پہ تھا تو ماں اور باپ مفتی بیگم کے بچہ کے لئے چلہ کے سلسلہ میں ہندوؤں کے رسومات کی ادائی کے تحت ملیرسات، جھولا، تلسبے اور چینی کے برتن وغیرہ خرید کر لاتے اور یہہ بستر پر پڑا دیکھتا

اور ماں کے الفاظ ان کے کانوں میں گونجتے "کیا سرکاری ذرا سے لوگ اچھے نہیں ہوتے زندگی ہے تو بچ جائے گا" مگر جیلانی نے یہی الفاظ اپنے بھائی کے لئے نہیں کہے پانی کی طرح روپیہ بہاکر جانفشانی کی حد کر دی۔ یہ بھی قدرت کا ایک انصاف اور سزا تھی کہ ماں باپ کی نگاہیں اور امیدیں تو بڑے فرزند پر لگی تھیں اور وہی امیدوں کے سہارے تھے۔ قدرت ماں باپ کو ان کی ناانصافی کا بدلہ بڑے فرزند کی عاشقی اور وبال جان بن کر لاپرواہی اور خود غرضی کی زندگی گزارنے کی صورت میں دے رہی تھی۔ اور اب وہ محو حیرت بنے دیکھ رہے تھے کہ جیلانی مجاہدانہ انداز سے خدمت انجام دے رہا تھا ایسے ہی موقعہ پر علامہ اقبال کہتے ہیں۔

ملاّ کی اذاں اور مجاہد کی اذاں اور ؛ الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
کرگس کا جہاں اور ہے شاہیں کا جہاں اور ؛ پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں

(۳) مرد بے حوصلہ کرتا ہے زمانے کا گلہ (علامہ اقبال)

جیلانی نے نوکر ہوتے ہی اپنی بہنیں اصغری کی شادی کی دھن کی جو اس سے بڑی تھی جس کی عمر ۲۴ سال کی ہو چکی تھی قرضہ مکنہ دفتر کی انجمن امداد باہمی سے لیتا اور دوستوں سے بھی انجمن امداد باہمی سے قرضہ دینے کی درخواست دلاکر ان کا قرضہ بھی خود لے لیتا اور ان کی ادائی بھی خود کرتا اور علامہ اقبال کے ان اشعار کو اپنے لئے مشعل راہ بنایا ہوا تھا۔

اس آبجو سے کئے بحر بیکراں پیدا ؛ خودی میں ڈوبنے والوں کی عزم و ہمت نے
تو خود تقدیر یزداں کیوں نہیں ہے ؛ عبث ہے شکوہ تقدیر یزداں
بندہ حُر کے لئے نشتر تقدیر ہے نوش ؛ مرد بے حوصلہ کرتا ہے زمانہ کا گلہ

جب انسان اللہ یا زمانہ کا شکوہ چھوڑ کر تقدیر یزداں بن کر خودی میں عزم و ہمت کے ساتھ ڈوب جاتا ہے تو منزل مقصود خود سامنے آجاتی ہے۔ لڑکیوں کے لئے خصوصاً ہندوستان میں عمر کے بڑھ جانے کے بعد نسبتوں کا آنا بڑا مشکل ہو جاتا ہے جبکہ دولت بسیار کے درخت کا گہرا سایہ نوشا اور سسرال کو نہ ملے۔ خیر ایک آبکاری کے سب انسپکٹر اشفاق کی نسبت آئی جسکی بیوی مر چکی تھی دو بچے چھوڑ کر۔ تیاری مکنہ حد تک ہو چکی جیلانی اور اصغری دونوں صغرا یعنی مجسٹریٹ صاحب کی سالی جو جوانی میں بیوہ ہونے کے بعد بہن کے گھر آگئی تھی کے بچے کہلاتے تھے چونکہ بیوہ ہونے کے بعد پیدا ہوئے اور دونوں بڑے ہونے تک خالہ کے دو جانب ہوتے تھے صغرا نے بھی مکنہ مدد اس شادی میں کی۔ تیاری مکنہ حد تک ہو چکی۔ جیلانی نے بھی دفتر سے قرضہ نکالا اب پندرہ سو روپے کی ضرورت رہ گئی تھی

(۴) جھوٹ بھی مصلحت آمیز ترا ہوتا ہے (علامہ اقبال)

بھائی بے حس
بھاوج حساس

جب جیلانی اپنے بڑے بھائی سعید کو ڈیڑھ ہزار رقم کی فراہمی کے لئے کہا تو نائب تحصیلدار نے مجبوریوں اور پریشانیوں کے پل باندھ دیئے۔ بیگم جس نے گھر میں بہو بن کر نہیں بلکہ ساس اور خسر کی بیٹی بن کر قدم رکھا اسکو خسر کی ضعیفی کا بھی احساس تھا اور ساس کی پریشانیوں کا بھی۔ اپنی نندوں اور دیوروں کو اپنے بھائی بہن سمجھتی اور ان کی بے حسی سے متاثر تھی فوراً میکہ گئی اور اسٹیٹ بنک آف حیدرآباد سے اپنے شوہر کو ڈیڑھ ہزار اپنے ایک عزیز اور بسکٹ فیکٹری کے مالک کی طمانیت پر دلادے۔ سعید اپنی بیوی کی حرکت سے خوش تو نہ تھے مگر کچھ کہہ بھی تو نہ سکتے تھے۔ علامہ اقبال نے سچ کہا ہے۔

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے ؎ آتے ہیں کام جو دوسروں کے

(۵) کف آئینہ پر باندھی ہے او ناداں حنا تونے (علامہ اقبال)

جب ڈیڑھ ہزار روپے سعید بنک سے لے آئے تو انہوں نے جیلانی کو تیرہ سو روپے حوالے کرتے ہوئے کہا کہ تم کافی قرضہ نکال چکے ہو، ایسا کرو کہ تین سو روپے اس رقم میں سے ادا کردو میں بارہ سو روپے ادا کرلیتا ہوں، دو سو میں نے رکھ لئے ہیں، مجھے کپڑے بنانے کی شدید ضرورت ہے۔ تمہاری سمجھداری اور کفایت شعاری سے مجھے امید ہے کہ تم دو سو روپے کو ارجیسٹ کرلے سکو گے۔ جیلانی نے صورت دیکھی تیرہ سو روپے لے لئے اور دو سو کا انتظام کرلیا۔ دل صاف رہے تو آرائشی رنگ سے انسان کو کوئی تعلق نہیں رہتا ضرورت مقدم، آرائشی رنگ بعد میں ۔ ایسی آرائشی رنگ جو زالگی کو چھوڑ کر اختیار کی جائے علامہ اقبال کے نقطہ نظر سے کف آئینہ پر حنا باندھنے کے برابر ہے کہ حنا آئینہ پر رنگ لا ہی نہیں سکتی فرماتے ہیں۔

صفائے دل کو کیا آرائش رنگ تعلق سے ؎ کف آئینہ پر باندھی ہے او ناداں حنا تونے

بہر حال ہمت مرداں مدد خدا کے مصداق ہوا اور شادی ہو چکی۔ شادی معیاری نہیں تو اوسط درجہ کی شادی تھی۔

---

(۶) سرِ دیں صدق مقال اکل حلال (علامہ اقبال)

(دین کا راز سچ بولنے اور اکل حلال کھانے میں ہے)

منصف مجسٹریٹ صاحب جو اپنی ملازمت میں رشوت سے پرہیز کرتے تھے کہ ناجائز اور اکل حلال نہیں۔ حالات ایسے ہو گئے کہ آبکاری یعنی سیندھی شراب کی آمدنی والے کو داماد بنا لیا۔ بہن کو ناحق ظلم ڈھا کر طلاق حافظ سے دلا کر حرام کاری میں مبتلا کیا تھا اسلئے ان کی بڑی بیٹی، منجھلی بیٹی اور اس بیٹی کی قسمت میں حلال کی کمائی سے جسم کی پرورش نصیب میں نہ آئی تھی۔ جو جسم اکل حلال سے پرورش نہیں پاتا وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتا اور نہ کوئی عبادت قابل قبول۔ علامہ فرماتے ہیں۔

سرِ دیں صدق مقال اکل حلال ؎ خلوت و جلوت تماشائے جلال

ترجمہ: دین کا راز سچ بولنے اور حلال کی روزی کھانے میں ہے۔ تنہائی اور انجمن میں جلال کا تماشا دیکھنا ہو تو سچ بات ہمیشہ کہنے اور کسب حلال کھانے سے یہ تماشا نظر آتا ہے۔

نصیحت مسلمانوں کا فرض بنتا ہے کہ کسب حلال نہ صرف خود کھائیں اپنی اولاد کو بھی اس راستے پر ڈالیں اور بیٹیوں کو ایسے معاملات اور ایسے شوہروں کو دیں جو کسب حلال سے کمانے کے قابل ہو۔

(۷) پالیسی بھی تری پیچیدہ تر از زلف ایاز (علامہ اقبال)

جیلانی نے اپنے دفتر کا اپنا اور اپنے دوستوں سے لیا قرضہ ادا کر دیا۔ پھر تین سو روپیہ قرض نکال کر اپنے بڑے بھائی سعید کو دے دیئے کہ اسٹیٹ بنک آف حیدرآباد میں قرض میں جو میری جانب سے ادا کر دیجئے۔ سعید نے اب ایک پائنٹ نکالا کہ یہ رقم تم رکھ لو۔ اصغری تمہاری بڑی بہن ہے اس کی شادی کا قرضہ میں ادا کر لونگا۔ تم اپنی چھوٹی بہن کی شادی اپنے ذمہ لے لو۔ جیلانی نے کہا۔ اب تک قرضہ لیکر میں نے ادا کیا ہے وہ واپس دیدو یا یہ تین سو لے لو۔ پریشان ہو کر سعید نے کہا۔ خیر اس رقم کو تو رہنے دو۔ جیلانی نے کہا آپ کی بیٹی عقیلہ کی بسم اللہ کی عمر گزر گئی۔ آپ نے بسم اللہ نہیں کی نہ آپ نے خاندان کی مدد کی۔ کیا لوگوں پر اس بات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں کہ خاندان کے لئے بڑی بچی کی بسم اللہ کی آرزو بھی نہ نکال سکے گو یہ رسومات شرعی نہیں مگر آپ اپنی کوتاہیوں سے نہ کریں اور نام خاندان کا ہو۔ میں اس رقم سے عقیلہ کی بسم اللہ کر دیتا ہوں۔ مسکرائے۔ کہا۔ تمہاری مرضی۔ سستا

زمانہ تھا، تھوڑی اور رقم شامل کرنے سے شاندار بسم اللہ عقیلہ کی ہوگئی، دادا کو اس تقریب کا اس قدر خوشی ہوئی وہ اپنے بیٹے جیلانی کو بار بار گلے لگا لیتے اور کہتے منجھلے یہ سب کچھ تیرے دم کا ظہورہ ہے۔

عقیلہ کی بسم اللہ خوانی کے کچھ دن بعد سعید جیلانی کے حجرے میں مسکراتے داخل ہوئے۔ بیحد خوش تھے اور کہنے لگے خاندان تمہارے احسانات کا معترف ہے۔ تم نے چھوٹی سی عمر میں وہ وہ کام کر دکھائے جو میں نہ کرسکا۔ اب ایک بہن جعفری کی شادی باقی ہے۔ تم میں تو ایثار کا مادہ قدرت نے بدرجہ اتم بھر دیا ہے۔ ہماری سالی منی کے لئے ہمارے خسر نے بنک میں معقول رقم رکھادی ہے۔ تم سیدھی سادھی شادی کر کے اس رقم سے اپنی چھوٹی بہن کو اٹھا سکتے ہو۔ جیلانی نے کہا مجھے تو اعتراض نہیں۔ آپ والدہ صاحبہ سے فرمائیگا۔ کہا۔ نہیں۔ تم ہی ذکر کرو اور اپنی مرضی کا اظہار کرو۔ جیلانی نے جب یہ بات ماں سے کہی تو انوری وہاں موجود تھی۔ کہا۔ یہ ہرگز نہیں ہوسکتا۔ سر میں سب جوں پڑے ہیں جو وں والی کو ہم نہیں لاسکتے۔ ماں نے کہا ٹھیک ہے۔ بعد میں سمجھ میں آیا کہ ماں اور بہنوں کی پالیسی یہ تھی کہ بہن اٹھ جائے تو جب بھی چھوٹے بھائیوں کی تعلیم رہتی ہے۔ لہذا جیلانی کی شادی تمام ذمہ داریوں تک ملتوی ہی رہے تو بہتر ہے۔ جیلانی نے انوری بیگم کا کہنا بھائی کو سنادیا۔ وہ ہونٹ دبائے صورت سرخ بنائے پیچ و تاب کھا کر رہ گئے غصہ چھپائے نہ چھپتا تھا۔ صرف اتنا کہا۔ تم کچھ سمجھ نہ سکے۔ جیلانی کی سمجھ میں ایک عرصہ بعد آیا کہ خدمت کرنے والے کو زوال پذیر قوم نہایت ہی سفاک و خودغرض بن کر اس کو نگل لینا چاہتی ہے۔ یہ ہے زوال پذیر قوم کی ایک خصلت و عادت۔

گیارھواں باب

(۱) کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرارِ حیات (علامہ اقبال)

قوموں کے عروج و زوال کی ضامن عورت

عورت کی مسلمہ حیثیت سے کون انکار کرسکتا ہے۔ خاندان سے لیکر ملت بلکہ ملک تک کے عروج و زوال کی ہمیشہ عورت ضامن رہی ہے اور اب بھی ہے اور آئندہ بھی رہے گی جب تک عورت نے اچھے فرزندوں کو جنم دیا ان کی اچھی تربیت کی۔ قوم بام عروج پر رہی اور جب عورت نے خود ناقص بن کر ناقص فرزندوں کو جنم دیا اور ناقص تربیت دی۔ خاندان بھی ناقص اور قوم بھی ناقص

اور زوال پذیر ہو گیا۔ عورت خاندان سے لیکر قوم تک کو جنت سے ہمکنار کر بھی سکتی ہے اور انہیں جنت سے نکال کر جہنم کے حوالے کر بھی سکتی ہے۔ گویا دین و دنیا کی تباہی کا سبب و باعث بن سکتی ہے۔ چونکہ اولاد کا پہلا مدرسہ و مکتب عورت کا آغوش ہوتا ہے اسلئے وہ قوم اور خاندان کی معمار اول معلم اول ہوتی ہے اسی کے خون کے اولین قطرے جو بصورت دودھ بعد پیدائش اولاد کے جسم میں داخل ہوتے ہیں وہی ماں کی فطرت کے غماز بن کر اولاد کو باحیا یا بے حیا، ایماندار یا بے ایمان بناتے اور متاع کردار سے نوازتے یا متاع کردار سے محروم کردیتے ہیں جسمیں اس کی تربیت کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اسلئے عورت کے تعلق سے علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

راز ہے اس کے تب غم کا یہی نکتہ شوق ؛ آتش لذت تخلیق سے ہے اس کا وجود
کھلتے جاتے ہیں اسی آگ سے اسرار حیات ؛ گرم اسی آگ سے ہے معرکۂ بود و نبود

بس یہی معیار لئے ہیں منصف مجسٹریٹ صاحب کے گھر کا جائزہ لینا ہے۔

(۲) ڈوب جاتے ہیں سفینے موج کی آغوش میں (علامہ اقبال)

غیبتیں اور کئی زندگانیاں غرق

منصف مجسٹریٹ صاحب کی اہلیہ سوم نے گھر میں جو غیبت کا آغاز کیا اب بیٹوں کے جوان ہونے کے بعد یہ فن غیبت اپنے عروج اور شباب پر آگیا تھا۔ تمام بیٹیوں نے سوائے احمدی کے اس غیبت سے فن کو آسمان کی بلندیوں تک پہنچا کے اپنا وہ مقام اعلیٰ بنایا کہ ماں کی نانی کی نانی ؛ اپنے آپ کو ثابت کرنے لگی تھیں۔ غیبت ہی اب اس گھر کے لئے خلو معدہ میں پیٹ بھرنے کے لئے بہترین غذا۔ غیبت ہی کھانا کھانے کے بعد کھانا ہضم کرنے کا بہترین چورن۔ غیبت ہی اس گھر کی بیٹیوں کی حیات کے لئے بہترین ٹانک، غیبت ہی اس گھر کے لئے شربت روح افزا۔ غیبت ہی اس گھر کا سرمایہ حیات۔ لذت کا سامان اور آرائش و زینت مکان۔ غیبت ہی اس گھر کے لئے عبادت علین اور نجات کا باعث اور سعادت دارین بن کر رہ گیا تھا۔ ماں کی ذرا سی تربیت سے بیٹیاں اس قدر لائق ہوگئی تھی کہ جسکو چاہا غیبتوں کے بم مار کر تحت الثریٰ میں پہنچا دیا۔ پھر اسکو زبان ہی کے راکٹ سے تحت الثریٰ سے نکال کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ تہمتیں تراشنے کا فن بھی اس گھر میں عروج پر آچکا تھا ایک ایک کی باری وقفہ وقفہ سے آکر ایک عرصہ تک رہتی پھر اس پر رحم آجاتا تو اسکو اچھا بناکر ثریا کی چوٹی پر بٹھا دیا جاتا پھر کسی ایک کا نمبر آتا۔ جھوٹ کے فن نے بھی بڑی ترقی کی تھی۔ ابھی کہا اور ابھی سننے والے کو ہرادیا

کہ ہم نے کہا ہی نہیں یہ ایسی سیاست تھی اور ایسا انوکھا جمہوری نظام کہ سب ایک دوسرے کی تائید میں ہاتھ اٹھاتے تھے اپوزیشن میں کوئی نہ رہتا تھا۔ انوکھی سیاست انوکھا سیاسی نظام جس کو دیکھکر ابلیس بھی بقول اقبال اللہ پاک سے معروضہ کرنے لگے کہ

کہتا تھا عزازیل خداوند جہاں سے ؎ پرکالۂ آتش ہوئی آدم کی کفِ خاک
جان لاغر و تن فربہ و ملبوس بدن زیب ؎ دل نزع کی حالت میں خرد پختہ و چالاک

جمہور کے ابلیس ہیں ارباب سیاست
باقی نہیں اب میری ضرورت تہ افلاک

(۳) قوم کے ہاتھ سے جاتا ہے متاعِ کردار (علامہ اقبال)

آجکل بجمہ جیسی فرشتہ خصلت بہو اور بھاوج کی غیبت کا سلسلہ جاری تھا۔ آجکل بجمہ شہر میں اور سعید اپنے مستقر آشٹی میں نائب تحصیلداری پر تھے۔ جب سعید شہر آتے بہو کی شکایتیں ماں اس کے سامنے کرتیں۔ انوری اور سعید میاں کی زندگانیاں تو بادشاہ محی الدین کے ہاتھوں تباہی کے غار میں گرتے گرتے بچ گئی تھیں۔ منہ کو کالک لگ ہی چکی تھی اور کوئی باحیا ہوتے تو اللہ اللہ کرتے، شرم سے منہ چھپائے جی لیتے مگر انوری اور سعید میاں جنہوں نے متاعِ کردار کھودیا تھا رات دن بجمہ کی غیبتیں کرتے ماں کو بہکایا کرتے۔ بلا وجہ۔ بلا سبب انتہا یہ ہوئی کہ بیٹے کو ماں خط لکھتی تو اس نیک سیرت بہو کے خلاف لکھتی۔ سعید نے پریشان ہوکر اپنے منجھلے بھائی جیلانی کو آشٹی سے حسب ذیل خطوط لکھے۔

"تمہاری بھاوج سے متعلق میں ان پیچیدہ حالات کو جاننا چاہتا ہوں اور سعید پر تم بھروسہ رکھو حالات جاننے کے بعد بھی تم پر کوئی آنچ نہ آئے گی اور نہ ہی انشاء اللہ بدمزگی ہماری ازدواجی زندگی میں پیدا ہوگی اور نہ تعلقات فرزندانہ میں جیسے بھی ہیں محصور رہیں ہو۔ تمہاری بھاوج کی یہ شکایت ہے کہ ان کو غلط سمجھا جاتا ہے وہ کچھ بھی کرتی ہیں اسے ظاہرداری کہا جاتا ہے اور حالات کی مجبوری سے جو واقعات ہوتے ہیں ان کی بدنیتی یا لاپرواہی پر محمول کیا جاتا ہے وغیرہ"۔

دوسرا خط ۷ ارادی بہشت ۱۳۵۵ف - آشٹی۔

"تمہاری بھاوج! ان کی لاپرواہی دن بدن میرے شفیق والدین کے لئے تکلیف دہ ہوتی جارہی ہے۔ اس خصوص میں انہیں کچھ لکھتا ہوں تو وہ کچھ عجیب شکوہ شکایت کرتی ہیں یہ چیزیں مجھے اور تکلیف دینے لگی ہیں۔ امی کے خطوط سے ان کے بارے میں جو خیالات

کا اظہار ہو رہا ہے وہ بجم کے اور میرے درمیان خلیج کو اور وسیع کرتے جا رہے ہیں۔ سوچتا ہوں کہ آخر کیا ہوگا۔ گویا یہ جینا سے شادی کر لینے کی تمہید تھی۔ سعید کی ماں اور بہنیں اپنی فطرت بد کی وجہ سے بجمہ کی زندگی برباد کرنے تل گئے تھے۔ جیلانی نے جواب دیا کہ ان معاملات میں بجمہ بے قصور ہے۔ یہ گھر کی پرانی عادت وریت ہے کہ بلاوجہ کسی کو معتوب بنا دیتے ہیں۔"

(۴) ندا آئی کہ آشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے (علامہ اقبال)

گوری بیگم اور جینا نے سعید کی شادی کے بعد مایوس ہو کر منصف مجسٹریٹ صاحب کے گھر آنا چھوڑ دیا تھا مقسدی بیگم اور اسکے شوہر نے ان کے گھر جا کر ان کے پھر آنے کے سلسلہ کا آغاز کروایا۔ ادھر جب سعید کی والدہ نے بجمہ کی شکایتیں شروع کیں تو سعید بھی اب گوری بیگم کے گھر آنے جانے لگے۔ مردہ عشق زندہ ہونے لگا یعنی بوالہوسی مسکرانے لگی۔ گوری بیگم کے سسرالی عزیز جینا کے رشتہ کے چچا (صوبہ دار) نے گوری بیگم کے رونے اور سمجھانے پر سعید سے کہا کہ اگر وہ جینا سے شادی کرلیں تو نائب تحصیلداری سے ترقی کر کے تحصیلدار بن جائینگے۔

جینا کی جوانی کا آفتاب ڈھل چکا تھا۔ اس کے شباب کا سورج ادھیڑپن کی وادی میں اپنا منہ چھپالیا تھا وہ بہت موٹی اور بھدی ہوگئی تھیں۔ اس موٹاپے کا سبب اسکی حقیقی خالہ خیراتی بیگم نے ایک ناجائز بچے کی پیدائش کو بتلایا تھا۔ یہ صحیح ہو کہ نہ ہو۔ لیکن یہ حقیقت تھی کہ وہ دوشیزہ یا کنواری نظر آنے کے بجائے ایک مکمل عورت نظر آنے لگی تھی۔ سعید کی والدہ نے جہاں جینا کو بدچلن، بدکردار بتلا کے سعید کی شادی بجمہ سے کی تھی اب بجمہ کو بدسلیقہ اور پھوہڑ عورت قرار دیکر جینا سے شادی کے اسباب یہی ماں اور اسکی بیٹیاں فراہم کرنے لگی تھیں۔ انوری جسکی زندگی بادشاہ محی الدین کے ہاتھوں تباہ ہوتے بچی تھی اس نے ماں کو سمجھایا کہ بھائی کی زندگی صرف جینا کو لانے سے سدھر سکتی ہے۔ محلہ میں عباس علی ناظم کے سالے نے عاشقی میں ناکام ہونے پر خودکشی کرلی تھی اور خبر سنکر سب متاثر تھے۔ سعید میاں نے کہا" مومانی ماں سعید کا بھی ایک دن یہی انجام ہونے والا ہے۔ وہ بہو سے تو خفا تھی بیٹے سے کہہ ڈالا" بیٹا! تم جو دل میں ہے وہ کر ڈالو اور سکون سے جیو" سعید نے اسکو جینا سے شادی کر لینے کی اجازت سمجھ لی۔ جو سو فیصد صحیح تھا۔ سعید نے مستقر پر جاکر ۲۵ ر اردی بہشت ۱۳۵۵ف کو آشٹی سے جیلانی کو خط لکھکر جینا سے شادی کرنے کے بارے میں تحریراً مشورہ چاہا۔ جیلانی نے ۶ ر خورداد ۱۳۵۵ف کو جواب روانہ کیا کہ "آپ جس زندگی کا خاکہ بنا رہے ہیں آپ بہتر سمجھ سکتے ہیں۔ مگر مجھے تو اس شادی کے بعد آپ کا ہنستا چہرا نظر آنے کے بجائے متفکر چہرا ابھی سے نظر آتا ہے۔ اور آپ خوشگوار زندگی

بسر کرتے نظر آنے کے بجائے پریشانیوں کی انتہائی بلند چوٹی پر نظر آتے ہیں ـــــــ گھر میں سب کچھ ہو رہا تھا اور منصف مجسٹریٹ صاحب گھر کے آخری حجرے میں پڑے سب باتوں سے بے خبر تھے۔

(۵) تازہ میرے ضمیر میں معرکۂ کہن ہوا (علامہ اقبال)

عاشق معشوق اب دلہا دلہن

سعید اب رخصت پر شہر آئے اور چند روز رہنے کے بعد صندوق میں کپڑے رکھکر بیدر جاکر چار یوم میں واپس آنا کہہ گئے۔ انوری اور سعید میاں دونوں جانتے تھے کہ وہ جینا سے شادی کرنے گئے ہیں۔ منصف مجسٹریٹ کے پروردہ سید میاں نے اس شادی میں شرکت کی اور اپنی بیوی انوکھی بیگم کو اور سسلئے جیلانی کو نکاح ہوجانے کی اطلاع دی۔ چار یوم کے بعد جب سعید گھر آئے اور شیروانی لگاکر بیت الخلاء گئے تو انوری بیگم نے ایکٹنگ شروع کردی، شیروانی سونگھی اور ماں کے پاس لیجاکر شیروانی سونگھائی اور کہا کہ ہائے ہائے یہہ کیا ہوا۔ اسمیں عطر اور پھولوں کی خوشبو بسی ہے۔ آخر بھائی نے جینا سے شادی کرہی لی۔ اب بھابی جان سے لوگوں کو کیا منہ دکھائینگی۔ آخر بھابی جان میں کیا خرابی تھی"۔ اب ماں بھی رونے لگی اور جینا اور گوری بیگم کو کوسنا شروع کیا۔ بجمہ نے سنا تو اُف بھی نہ کی وہ صابرہ بنی مجسم سکون نظر آئی انوری یعنی انوکھی بیگم خاموش فتنہ بنی اس کے پاس بیٹھی ہمدردی کا اظہار کرتیں۔ اب گھر کا ماحول یکایک بدل گیا، سب کے سب سعید جینا اور گوری بیگم کے خلاف بڑبڑانے گالیاں دینے، کوسنے لگ گئے۔ سعید یہہ حالات دیکھکر ملازمت پر جانے کے بہانے گھر سے غائب ہوگئے۔ اب گھر میں ایک ماتم بپا تھا۔ ہر ایک اپنی حیثیت اور استطاعت کے موافق سعید کی کوئی زبان کوئی قلم سے تواضع کررہا تھا۔ جیلانی نے متاثر ہوکر کئی اشعار لکھے۔ مثال کے طور پر ؎

وصل لازم نہیں ہے الفت میں ٭ آبلے آگ پا نہیں سکتے
جو نہ کرنا تھا کرچکے ہو تم ٭ آنکھ ہم سے ملا نہیں سکتے

شفاق سعید کے بہنوئی نمبر (۴) نے بھی اس بحر میں غزل لکھ ڈالی۔

ڈس لیا تم کو ایک ناگن نے ٭ زہر اسکا چھپا نہیں سکتے
تم لگاکر کلنک کا ٹیکہ ٭ ہم سے آنکھیں ملا نہیں سکتے

اب سعید کی والدہ کا یہہ حال تھا کہ رات دن روتی، سعید کی شکایتیں، غیبتیں کرتیں جو کوئی آتا جیلانی کو بلاکر اشعار سنانے کہتیں۔

منصف مجسٹریٹ اور یہہ واقعہ

منصف مجسٹریٹ صاحب گھر میں باہر کے حجرے

میں رہتے اور تمام حالات سے بے خبر تھے جب یہ واقعہ سنا اور بیوی کی آنکھوں سے گنگا جمنا بہتے دیکھی تو کمر ہی بیٹھ گئی گویا یہ ان کی زندگی کے تابوت میں آخری کیل تھی جو اس کے فرزند اکبر اور تمام گھر والوں نے ٹھوک دی تھی۔ منہ سے کہتے اسے عاق کردوں گا اب وہ اپنی موت کا انتظار کرنے لگے۔ گھر کے در و دیوار محو حیرت بن کر سعید کی والدہ اور بہنوں کو دیکھ رہے تھے۔ ماں کی غلط سیاست اور بچہ کی منفعت میں زندگی کی تباہی کے امور انجام دینے اور پھر بچہ کے ہمارو بن کر سعید اور جینا کی غلطیوں کے سلسلہ کو شروع کرنے کے بھیانک کردار پر ماتم کر رہے تھے اور ابلیس مسکرا کر کہہ رہا تھا ۔ شاباش ۔

باقی نہیں اب مری ضرورت تہ افلاک

(۶) جہاں نو ہو رہا ہے پیدا وہ عالم پیر مر رہا ہے (علامہ اقبال)

منصف مجسٹریٹ صاحب اب زندگی کے ۷۷ سال ختم کر چکے تھے وہ زندگی کے اس سفر سے بھی تھک چکے تھے گھر اور اولاد کے ناہموار تکلیف دہ حالات، معاشیات، ذمہ داریوں کی تکمیل بھیانک فضا و فکر و تفہ دقعہ سے انہیں بیمار کر رہی تھی۔ فرزند کلاں سعید دو بیویوں کو لئے تحصیلداری کی کرسی پر فائز تھے۔ ہر بیماری میں تیمارداری اور والد کی خدمت کی سعادت صرف فرزند دوم جیلانی کو نصیب ہو رہی تھی اب منصف مجسٹریٹ صاحب ہر وقت اپنے فرزند دوم کو دعائیں دیتے اور منجلے منجلے کہہ کر سینے سے لگا لیا کرتے تھے۔ آخر ایسے بیمار پڑے کہ بیہوشی طاری ہو گئی۔ جیلانی نے علاج میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ بڑے سے بڑے چوٹی کے ڈاکٹرز لائے گئے۔ پانی کی طرح روپیہ بہادیا گیا مگر ہوش آنے کا پتہ نہ تھا۔ سید میاں داماد کے علاوہ بہن کے بیٹے اور منصف مجسٹریٹ کے سالہا سال کے پروردہ بھی تھے۔ خدمت تو بڑی چیز تھی قوت حس سے بھی محروم ہو چکے تھے۔ منصف مجسٹریٹ صاحب موت اور زندگی کی کشمکش میں مبتلا تھے اور یہ بازو کے حجرے میں ناول بہ آواز بلند پڑھ کر بیوی کو سنا رہے تھے گویا اپنے ماموں و خسر اور مالک کو عالم نزع میں دیکھ کر یسین پڑھ رہے ہوں اور بدنصیب بیٹی ناول سن رہی تھی۔ نہ محبت نہ انسانیت نہ احساس، بقول علامہ اقبال منصف مجسٹریٹ صاحب کی بیہوشی پوچھ رہی تھی ان سے۔

تیرے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے ٭ خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے (اقبال)

اور بیٹی الوکی بیگم جس نے بادشاہ محی الدین کے ساتھ کھیل کھیل کر باپ کو نیم جان بنا دیا تھا اب باپ کی بے ہوشی اس کی بے حسی اور شوہر سے ناول سنتے بیٹھنے پر علامہ اقبال کی زبان بن کر پوچھ رہی تھی۔

زندہ یا مردہ یا جاں بلب ٭ از سہ شاید کن شہادت را طلب

ترجمہ : تو زندہ ہے یا مردہ ہے سکرات کے عالم میں ہے (اے دختر) تینوں میں سے کیا ہے غور کر اور ان سے گواہی لے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ زندہ رہ کر بھی زندہ نہ تھی اس کا ضمیر مردہ تھا اس کی انسانیت سکرات کے عالم میں مبتلا تھی۔

ایک جیلانی فرزند دوم تھا کہ نہ دن کو چین نہ رات کو نیند۔ ڈاکٹر پر ڈاکٹر آرہے تھے۔ حسب ہدایت ڈاکٹر معین الدین میل نرس وقت پر انجکشن اور توجہ اسطرح دے رہے تھے کہ گویا دواخانہ کا اسپیشل وارڈ ہے بڑے فرزند سعید کو اطلاع دی گئی ایک دن کے لئے آئے۔ باپ کو عالم بیہوشی میں دیکھا۔ جیلانی کے ساتھ ڈاکٹروں کے ساتھ چلے راستے میں کہدیا کہ کل میرا ملازمت پر رجوع ہونا بیحد ضروری ہے۔ جیلانی نے حیرت سے پوچھا "باپ کو اس نازک حالت میں چھوڑ کر" جواب دیا۔ باپ کی حالت نازک ہے تو ملازمت کی حالت بھی نازک ہے۔ تم ہی فیصلہ کرو کہ کونسی نازک حالت کو دیکھا جائے۔ جیلانی نے کہا میں کسطرح روپیہ کو پانی سمجھکر علاج میں بہا رہا ہوں۔ آپ دیکھ رہے ہیں اگر کمی علاج کے لئے روپیہ کی پڑجائے تو کیا ہوگا۔؟ جواب دیا "یقین کرو اس وقت میں ناقابل بیان و قیاس حد تک معاشی پریشانیوں میں مبتلا ہوں۔ جیلانی نے کہا "جب باپ کی اس ضعیفی کا عالم ایک بہن کی شادی باقی اور تین چھوٹے بھائی زیر تعلیم تھے تو آپ نے دوسری اور ایک شادی کا شوق کیوں فرمایا" میں اپنی قوت سے زیادہ روپیہ علاج پر خرچ کرونگا اگر مزید روپیہ کی ضرورت پڑنے پر روپیہ فراہم نہ ہوا اور یہ احساس ہو کہ مزید روپیہ اور علاج سے جان بچ سکتی تھی تو جیلانی آپ کی جان بھی باقی نہ رکھے گا۔ خاموشی ہو رہے باپ پر بیہوشی طاری تھی ڈاکٹر تشویش بتا رہے تھے صبح فرزند اکبر نے اپنے مستقر کی راہ لی۔ مستقر پر جانے کے بعد جب حالات بیویوں سے بیان کئے تو پہلی بیوی نے فوراً اپنے ڈنڈ کی سونے کی پٹی فروخت کر کے آدمی کے ذریعہ آٹھ سو روپیہ روانہ روانہ کئے۔ اسی بیوی پر سعید صاحب سوتن لائے تھے اسی بہو کی شکایتیں سراس اور نند کر کے سعید کو دوسری شادی کر لینے کا اشارہ دیا تھا۔

بہرحال منصف مجسٹریٹ صاحب کا آخری وقت آچکا تھا۔ ڈاکٹر پر ڈاکٹر آتے رہے، دواؤں پر دوائیں دی جاتی رہیں۔ معین الدین میل نرس بھی حسب ہدایت ڈاکٹر مصروف خدمت تھے حسب ہدایت ڈاکٹر رات کے گیارہ بجے قلب کی تقویت کا انجکشن جسم میں تھا۔ آخر دل ڈوب ہی گیا۔ ہندوستان کو آزادی ملنے کے ایک ماہ بعد منصف مجسٹریٹ صاحب نے دنیا کے مصائب اور آفتوں سے آزادی حاصل کرلی۔

---

(۷) میں ظلمت شب میں لے کے نکلونگا اپنے درماندہ کارواں کو (علامہ اقبال)

عجب روح پرواز ہوئی ایک ہنگامہ برپا ہوا۔ جیلانی نے اپنے چھوٹے بھائیوں اکبر مجوب کمال کو سینہ سے لگالیا اور اپنی ناکتخدا بہنیں جعفری کو بھی، اور کہا تم سمجھو کہ بھائی مرگیا ہے۔ باپ نہیں۔ انشاء اللہ تمہاری شادی اور تعلیم اور مستقبل متاثر نہ ہونگے۔ اللہ کی قدرت کہ اس نے یہ کر بھی دکھایا۔

بڑے صاحبزادے خدمت سے محروم تھے ہی دیدار سے بھی محروم رہے، جیلانی نے تیمارداری کے طویل فرائض بھی انجام دیئے اور تجہیز و تکفین بھی تنہا انجام دیں۔

(۸) بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر (علامہ اقبال)

ایک ماہ بعد بیس سالہ جیلانی جس نے کبھی کسی کی قبر بناتے ہوئے نہیں دیکھا تھا، قبر بنوانے مزدوروں کو لئے گھر آیا اور سید میاں داماد پروردہ منصف مجسٹریٹ صاحب کو ساتھ قبرستان چلنے کہا۔ سید میاں نے بلند آواز سے کہا "نہیں میاں میں بہت تھکا ہوا ہوں حالانکہ وہ رات تمام سو کر صبح ناشتہ کے بعد چائے پی رہا تھا۔ جیلانی آنکھوں میں آنسو لئے مزدوروں کو لئے قبرستان قبر بنانے چلا گیا، دوپہر کے بعد جبکہ قبر تقریباً تیار ہوچکی، سید گاؤں سے آکر جو باہر گئے ہوئے تھے سید میاں کی یہ گفتگو والدہ سے سنکر قبرستان آئے اور جیلانی سے کہا میں نے سید میاں کی بے دردی کا حال والدہ سے سن لیا۔ جیلانی نے دل میں کہا آپ کا بے حسی کا حال تو میں نے دیکھ لیا جو نفس کے غلام ہوتے ہیں ان پر بقول علامہ اقبال بھروسہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔

بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر ☆ کہ دنیا میں فقط مردانِ حر کی آنکھ ہے بینا
بہتر ہے کہ بیچارے ممولوں کی نظر سے ☆ پوشیدہ رہیں باز کے احوال و مقامات

بارھواں باب

(۱) اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب (علامہ اقبال)

منصف مجسٹریٹ صاحب کی زندگی کے بعد

مایل بہ ترقی اور زوال پذیر قوم کا فرق

جو قوم ترقی کی طرف مائل ہوتی ہے اسمیں اور وہ قوم جو زوال کے ہاتھوں تباہ ہو جاتی ہے دونوں میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ مائل بہ ترقی قوم احساس ہوتی ہے۔ فرض شناس ہوتی ہے۔ جب اپنے قوم کے کسی فرد یا خاندان پر آفت و بیکسی آتی دیکھتی ہے تو اسکی مدد کے لئے آگے بڑھتی اور قربانیوں سے دریغ نہ کرتے ہوئے اسکو تباہی و بربادی سے بچا لیتی ہے جسکی نمایاں مثال آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ سے مدینہ شریف لیجانے پر ملتی ہے کہ سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسلمانوں کو بھائی چارگی کے رشتہ میں منسلک کر دیا تو انصار نے مہاجر کے لئے اپنا نصف مال حتیٰ کہ دو بیویاں ہونے کی صورت میں ایک بیوی کو تک طلاق دیکر اپنے مہاجر بھائی کے نکاح میں دے دیا۔ یہی ایثار و قربانی نے مسلمانوں کو ثریا کی چوٹی پر بیٹھا دیا۔ دنیا کے تین براعظم پر یہ وہ قابض نہیں ہوئے بلکہ بقول حضرت اقبال حال یہ تھا کہ۔

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث ؛ مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں ہے
جہاں تمام ہے میراث مرد مومن کی ؛ مرے کلام پہ حجت ہے نکتۂ لولاک

جب مسلمان قوم زوال پذیر ہوئی تو رشتہ دار وقت مصیبت غیر بنتے نظر آنے لگے۔ حقیقی بھائی بوقت مصیبت مصیبت زدہ بھائی سے گریز کرنے لگا۔ محسن کے ساتھ احسان فراموشی کی جانے لگی اور احساس کے تحت ہمدردی کرنے والے محسن کو بیوقوف اور دیوانہ کہا جانے لگا۔ مختصر یہ کہ اپنے محسنوں کے ساتھ نمک حرامی کو شیوہ زندگی بنا لیا گیا۔

منصف مجسٹریٹ صاحب کے انتقال کے بعد ایک تو سید زادے یعنی مفیدی بیگم کے شوہر تحصیلدار تھے جن کو منصف مجسٹریٹ صاحب نے نہ صرف بیٹی دی بلکہ تحصیلداری کا کام بھی سکھایا اور ہر پریشانی کے وقت مدد کی پھر وہ داماد ہی نہیں بہن کے لڑکے بھی تھے اور خود غرض سید زادے تھے "نہیں میرے پیچھے بقیہ سب کچھ"

کی کہاوت کو سچ کر دکھایا یہ تحصیلداری کی کرسی پر فائز آنکھیں بند کئے۔ کسی کو دیکھتے تک نہ تھے' زبان کی ہمدردی سے تک محروم۔ بقول علامہ اقبال ابلیس اپنے کارندوں سے ان کو دیکھکر کہہ رہا تھا۔

تم اسے بیگانہ رکھو عالم کردار سے ؎ تا بساط زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات

جیسا کہ آگے آئیگا ان کو قدرت نے یہ سزا دی کہ منصف مجسٹریٹ صاحب کی اولاد ہی کا انہیں زیر بار احسان ہونا پڑا۔

تیسرے داماد سید میاں جو سید ہونے کے دعویدار تھے اور منصف مجسٹریٹ صاحب کی بہن کے بیٹے بھی۔ ان کی ماں کو ظالم شوہر سے منصف مجسٹریٹ صاحب نے نجات دلاکر دوسرا نکاح کروا دیا' بعد بیوہ ہونے کے تاحیات ذریعہ منی آرڈر بغرض پرورش رقم روانہ کرتے رہے اور بعد انتقال سید میاں کو اپنے گھر رکھکر پرورش کی۔ پھر بیٹی دی۔ یہ بھی بدنصیب پروردہ خود غرض اور سفاک اور خودی سے محروم اور بے ہنگام آزادی خام اور فکر خام کی زندگی بقول شاعرِ مشرق بسر کرکے اس شعر کی تفسیر بنا ہوا تھا۔

ہو فکر اگر خام تو آزادی افکار ؎ انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

بڑے صاحبزادے باوجود تعلیم سے آراستہ ہونے کے باپ کی ذمہ داریوں سے لاپرواہ اور دو بیویوں کے شوہر بن کر بغلیں بجا رہے تھے کہ " ہاہا میں تو دو جوروں والا " جب بقول حضرت اقبال یہ اپنی تعمیر خودی ہی سے محروم تھے تعمیر خاندان سے انہیں کیا سروکار۔ وہ جانتے ہی کب تھے کہ

بے ذوق نمود زندگی موت ؎ تعمیر خودی میں ہے خدائی

والد کے انتقال کی خبر سن کر شہر آئے اور بڑی مشکل سے (۵۰) روپے' پھر سو روپے ماہانہ روانہ کرنے راضی ہوئے' فرمانے لگے والد محترم نے ۲۱ سال وظیفہ لیا ہے' ضابطہ ملازمت کے تحت بیوہ کو صرف پانچ روپے وظیفہ رعایتی ملے گا وہ بھی برسوں کی پیروی اور کئی محکمہ جات کے چکر کاٹنے کے بعد منصب تو تاحیات تھی ہو ہی نہیں سکتی۔ کیا ہم مر گئے ہیں کہ برسوں پیروی کئی محکمہ جات میں کرکے وقت خراب کریں۔ جیلانی نے مسکرا کر دیکھا۔ نظریں ہٹالیں۔

وظیفہ رعایتی اور منصب کی اجرائی

جیلانی نے وظیفہ رعایتی کی درخواست والدہ کی جانب سے پیش کرکے طوفانی پیروی کرکے تین محکمہ جات سے کارروائی ایک ماہ میں مکمل کرکے منظوری لے لی اور والدہ کو پانچ روپے بشمول پندرہ روپے گرانی الاؤنس بیس[20] روپے دلا دیا۔ سعید کو اطلاع ہوئی جیلانی کو خط لکھا کہ بڑی مسرت یہ ہے کہ حضرت قبلہ گاہی کی ماہوار کا کچھ جزو کیوں نہ ہو محترمہ والدہ صاحبہ کے نام ہوگیا اپنے شوہر کی رقم کا انہیں جو سہارا اپنے خواہ وہ کتنی ہی خفیف کیوں نہ ہو وہ سہارا دوسروں کے لاکھوں کی رقم سے کبھی ملنا ناممکن ہے۔ اس کے بعد

ایک ہی ماہ میں جیلانی نے ضابطہ ملازمت کا حوالہ دیتے ہوئے والدہ کی جانب سے درخواست پیش کرکے وظیفہ المصاف یعنی دوگنا یعنی دس روپیہ اور گرانی پندرہ (۱۵) گویا (۲۵) روپے کی منظوری لے لی اور منصب تاحیات جو تھی مرحوم کی ذمہ داریاں بتلاکر چار ماہ میں طوفانی پیروی کرکے پچاس روپے کا دو تہائی یعنی (۳۳) روپے منظور کرواکر بقایا بھی والدہ کو دلادیا' اب ۲۵ وظیفہ معہ گرانی الاؤنس اور منصب (۳۳) جملہ (۵۸) روپے ملنے لگے اور گرانی الاؤنس ہمیشہ بڑھتا ہی جاتا رہا۔ سعید صاحب حیران ہوئے جیلانی کو خط لکھا۔

۱۹ اردی بہشت ۵۷ ف کیمپ دورہ عادل آباد۔

"میرے جواں سال وجواں بخت بھائی خدا تجھے یاد اد سرخرو رکھے۔ آمین۔ تم اس وقت جس ہمت واستقلال سے کام کررہے ہو' لائق صد ہزار حسنت وتحسین ہے۔ تم وہ کررہے ہو جو مجھے کرنا چاہئے افسوس کہ خصوصاً اس عمر میں (۲۰) سال میں دنیا بھر کی مصیبتوں میں الجھ گئے ہو۔ بہرحال دعا ہے کہ خدا تمہیں ان خدمتوں کا صلہ دین ودنیا کی سرخروئی سے عطا فرمائے۔ آمین۔"

جیلانی نے ہمت افزائی کا شکریہ ادا کیا اور لکھا کہ میں علامہ اقبال کے ان نظریات پر ایقان رکھتا ہوں۔

خودی میں ڈوبنے والوں کی عزم وہمت نے	؎	اس آبجو سے کئے بحر بیکراں پیدا
زمانہ عقل کو سمجھا ہوا ہے مشعلِ راہ	؎	کسے خبر کہ جنوں بھی ہے صاحب ادراک
وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے	؎	زمانے کے سمندر سے نکالے گوہر فردا
خوار جہاں میں کبھی ہو نہیں سکتی وہ قوم	؎	عشق ہو جس کا جسور' فقر ہو جس کا غیور

اور لکھا کہ مجھے میری طوفانی رفتار کی پیروی دیکھ کر لوگ جنونی کہنے لگے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ بقول حضرت اقبال ؎

ایک جنوں ہے کہ باشعور بھی ہے	؎	اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں

دعا فرمائیے کہ اللہ میرا یہ جنون سلامت رکھے' مجھے منزل مقصود تیزی سے طے کرنی ہے۔ جو ابھی کافی دور ہے' اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ مجھے جنون اور جرأت رندانہ عطا فرمائے۔

(۲) زندگانی کیا ہے اک طوقِ گلو افشار ہے (علامہ اقبال)

جیلانی کی پریشانیوں کی اس کم عمری میں حد نہیں تھی ذکر ہوتے ہی اصغری کی شادی کی تیاری

شروع ہی کی تھی کہ اکبر کی چھ ماہ کی طویل اور تھکا دینے والی بیماری اور طوفانی خرچہ کا سلسلہ چلا اس سے فراغت پائی تو اصغری کی شادی کی مصروفیت و مشکلات کا مقابلہ رہا۔ قرضہ کی ادائی اور سعید کی بچی کی بسم اللہ سے فراغت پائی تھی کہ گھر میں بچہ کے خلاف غیبتوں کا طوفان اور والدہ اور بہنوں کا سعید کو دوسری شادی کروا کر ڈبل رول ادا کرنے کا مبوبانِ روح دماغ متاثر کرنے والا سلسلہ چلا پھر منصف مجسٹریٹ صاحب کی علالت تیمار داری، انتقال نے دل و دماغ ہلا دیئے۔ وظیفہ رعایتی اور منصب کی برسوں کی کارروائیوں کو مہینوں میں طے کرنے کے بعد جعفری کی شادی کے اسباب پر غور ہی کیا جا رہا تھا کہ والدہ کا پیٹ بڑا اور سخت ہونے لگا۔ یہ بڑا پریشان کن حواس باختہ کرنے والا مسئلہ بن گیا۔ پیٹ میں عجیب قسم کی رسولی تھی جس کا آپریشن فوری ضروری تھا ورنہ جان کے ضائع ہونے کا قوی امکان تھا۔ اس وقت کی بہترین ماہر لیڈی ڈاکٹر بی ایم نائیڈو تھی جو گھر پر دو ہزار روپے لیکر دواخانہ عثمانیہ میں آپریشن کرتی تھی ورنہ دلچسپی نہ لیتی تھی۔ اس وقت کے دو ہزار آج کے بیس ہزار کے مماثل تھے بلکہ اس سے بھی زائد۔ کوئی قرض دینے بھی آمادہ نہ تھا، زوال پذیر قوم میں بڑے بے حس افراد خاندان ہوتے ہیں، اللہ نے مدد کی۔ وہیں معین الدین میل نرس کام آگئے۔ اسمیں شک نہیں ان کو کھلانے، فلم دکھانے، تحفہ دینے روپے خرچ ہوئے لیکن اس شخص نے حق ادا کر دیا۔ اپنی حالہ کہہ کر ڈاکٹر بی ایم نائیڈو کو بتلایا اور دواخانہ میں شریک کروایا، وہ دواخانہ کے اسٹاف سے روپیہ لے نہ سکتی تھی پھر معین الدین میل نرس کو وہ اچھی نگاہ سے دیکھتی بھی تھی۔ خیر آپریشن ہوا۔ بالائی خرچہ محنت اور پریشانی نے دماغ کھکلنے لگا دیا۔ بفضلِ خدا بعد محنت بسیار والدہ گھر آئیں سعید نے تو جیلانی کو آپریشن سے قبل صرف اس قدر لکھکر اپنے فرائض سے سبکدوشی اختیار کرلی تھی۔

۲۴ ر بہمن، کیمپ دورہ وڈیال

میرے جواں ہمت بھائی خدا تجھے باقبال و کامران رکھے۔ آمین۔ محترمہ والدہ صاحبہ کی خرابی صحت کی کیفیت حواس باختہ کر رہی ہے۔ مجھے مالک سے توقع ہے کہ وہ ہمارے آخری سہارے اور ہمارے زخم یتیمی کے مرہم کو ہمارے لئے صدوسی سالی باقی رکھے گا۔ میرے بھائی! پریشانیوں و افکار کی حد و انتہا ہوچکی ہے۔ یہ سچ ہے کہ مصیبت کبھی تنہا نہیں آتی۔ میں یہ بھی جانتا ہوں اور مجھے اس کا بھی بخوبی احساس ہے کہ تمہارے لئے اس عمر میں جو کہ بے فکری و کامرانی کا جام بہ دست ہوتی ہے یہ افکار و تند و تیز مصائب و حوادث ستم ہیں لیکن میرے عزیز! کس سے شکوہ ہو بجز اس دعا کے تمہارے اس ناکارہ بھائی کے پاس کیا ہے کہ خدا تمہیں ہمت استقامت دے، صراط مستقیم

پھر گامزن رکھے ——— آمین "

خیر سعید نے آنے سے مجبوری ظاہر کی اور دعا دیکر ہمت بڑھانے خط لکھدیا۔ اللہ پاک نے فضل کیا کہ اس مرحلہ کو بھی جیلانی نے کامیابی سے طے کر لیا۔ بقول علامہ اقبال جیلانی خودی کو صورت فولاد بنا کر جی رہا تھا۔

اس قوم کو شمشیر کی حاجت نہیں رہتی ؛ ہو جس کے جوانوں کی خودی صورت فولاد

جس کا عمل ہے بے غرض اوسکی جزا کچھ اور ہے ؛ حور و خیام سے گذر، بادہ و جام سے گزر

آج جیلانی نے اس ماں کے لئے اپنی جان کی بازی لگا کر ماں کی جان بچائی تھی جس نے بحیثیت ماں اسی بیٹے کے بارے میں کہا تھا کہ کیا لوگ سرکاری دواخانہ کی دوا سے اچھے نہیں ہوتے۔ زندگی ہے تو بچ جائے گا۔" جیلانی شکر خدا ادا کرکے بارگاہ ایزدی میں سجدہ ریز تھا کہ اللہ پاک نے آج اس کو اس قابل بنایا کہ وہ ماں کی جان ان نازک دور اور حالات میں بچا سکا۔

(۳) نمود جس کی فراز خودی سے ہو، وہ جمیل (علامہ اقبال)

منصف مجسٹریٹ صاحب کا انتقال آزادی ہند کے ایک ماہ بعد ہوا تھا۔ اس وقت نظام کی ریاست کے سیاسی حالات بڑے نازک اور خطرناک تھے۔ انڈین یونین نے تمام ہندوستان کی ریاستوں کو ہندوستان میں ضم کر لیا گیا تھا۔ اب صرف نظام کی ریاست باقی تھی، نظام سابع میر عثمان علی خان، آخری فرمانروا کی غلط اور ڈیل پالیسی نے حیدرآباد کے حالات خطرناک بنا دیئے تھے۔ ادھر قاسم رضوی نے ایک رضاکار تنظیم قائم کرکے جسمیں جوش ہی جوش تھا اور ہوش کا پتہ نہ تھا مدبر نہ ہونے کا ثبوت دیا۔ نہ ریاست کو ساحل نصیب نہ ریاست طاقت اور قوت کی حامل۔ عثمان علی خان کو اقتدار کا مظہر بتلا کر لال قلعہ دہلی پر جھنڈا لہرا دینے کے جوشیلے تقاریر جاری تھے۔ شرنی کاٹن ذریعہ ہوائی جہاز نظام کو ہتھیار فراہم کر رہا تھا۔ جو گویا چونٹیوں کو جنگ کرنے کے لئے شکر کھلانے کے مماثل کام تھا۔ معاشی ناکہ بندی کی وجہ سے تمام اشیاء کی قیمتیں آسمان سے باتیں کر رہی تھیں۔ کسی وقت بھی ہندوستانی فوج کے حملہ کے امکانات روشن تھے لگنے والے حالات قابو سے باہر نظر آرہے تھے بقول حضرت اقبال۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے ؛ ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

جیلانی کی یہ خواہش اور کوشش تھی کہ جعفری کی شادی فوری ہو جائے مگر سعید اسکو بھی ٹالنا چاہتے تھے اور مجبوری کا رونا رونے میں مصروف تھے۔ آخر جیلانی نے سخت رویہ اختیار کیا۔ بڑی مشکل

سے سات سو روپے قرض لیکر روانہ کیا جو کبھی ادا ہو ہی نہ سکا کسی قرضہ کی ادائی تو اسکے قسمت میں تھی ہی نہیں اب جیلانی کو ڈھائی ہزار کا انتظام کرنا تھا۔ وہ مکان جسکو صغرا نے پندرہ سو روپے میں احمدی اور انوری کی شادی کے وقت اپنی بہن زینت سے خرید اتھا اسمیں کچھ زمین تھی جسکو دو سو پچاس (۲۵۰) روپے میں زوخت کر دیا تھا گویا اب مکان کی مالیت بارہ سو پچاس کے لگ بھگ تھی۔ جیلانی نے کہا کہ کرایہ آپ اپنی رسید دیکر کرایہ داروں سے لیتے رہئیگا مگر اسکو میرے نام مستقل کر دیجئے تو دفتر کی انجمن باہمی میں کاغذات مکان رکھکر شادی کے لئے قرضہ حاصل کیا جائے گا اور بعد ادائی قرضہ مکان آپ کے نام رجسٹری کروادیا جائے گا۔ وہ راضی ہوگئی۔ اس زمانہ میں نظام حکومت نے اپنے ملازمین کو چھ ماہ کی تنخواہ بطور قرضہ دی تھی۔ جیلانی نے وہ رقم لگا کر مکان میں ضروری ترمیمات کر کے مکان کو "حیدرآباد نگینہ اندر مٹی اوپر چونا" کی کہاوت کا مصداق بناکر رنگ و روغن سے آراستہ کر کے ساڑھے تین ہزار کی رجسٹری اپنے نام پر کرواکر کاغذات انجمن میں داخل کر کے ڈھائی ہزار قرضہ کی درخواست پیش کی۔ صیغہ دار انجمن کو مکان کی مالیت کو جانچ کر رپورٹ پیش کرنے کا صدر نشین انجمن نے حکم دیا۔ صیغہ دار رشید نے مکان اس مالیت کا نہ ہونا جیلانی سے کہا۔ رشید صاحب کا پیٹ کیک پیسٹری سے اور جیب نوٹوں سے بھر کر جیلانی نے کہا یہہ ایک بغیر باپ کی بیٹی میری بہن کی شادی کا معاملہ ہے گویا سمجھ لیجئے کہ آپ ہی کی بیٹی کا معاملہ ہے۔ میری تنخواہ سے تو قرضہ کی رقم وضع ہو جائے گی۔ اب اس نیکی اور کار خیر میں شریک ہونے سے اللہ پاک آپ کی دین و دنیا بہتر بنادیں گے۔ پیٹ اور جیب بھر جانے سے ضعیف رشید صاحب کے دماغ میں دنیا و دین کی بھلائی کا خیال بیٹھ گیا اور مالیت مکان تین ہزار قرار دے دی۔ ڈھائی ہزار قرض بفضل خدا حاصل ہوگیا۔ جس طرح اصغری کی شادی کی تیاری جیلانی کو تنہا کرنی پڑی تھی اب جعفری کی شادی کی تیاری خرید و زوخت سے لیکر تمام انتظامات پکوان اور طعام تک اسکو تنہا کرنے پڑے۔ زوال پذیر قوم کے افراد سید میاں محبوب علی اور سید زادے یہہ سمجھتے تھے کہ دخل دیا کہ رقم کی کمی بتلا کر رقم نہ طلب کیجائے۔ کوئی مہمانوں کو پانی پلانے بھی کھڑا نہ تھا بلکہ دستر خوان پر بیٹھ کر پانی طلب کر رہے تھے۔ ان کم ظرف بے حوصلہ لوگوں میں سے ہر ایک سے مذہب اسلام اور انسانیت پوچھ رہی تھی کہ اے اپنے آپ کو مسلمان اور سید زادے کہنے والو۔

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے ☆ خودی تری مسلماں کیوں نہیں ہے

سید صاحب تو تحصیلدار صاحب تھے محنت کے عادی تھے کہاں ؟ جیلانی نے ہمت کا دامن تھام اللہ کی رحمت کا سہارا لئے جعفری کی شادی کے فرائض کامیاب انداز سے ادا کئے اور اپنے بھائی سید اور دیگر ارکان

خاندان کے زرق کو علامہ اقبال کے ان دو مصرعوں سے نمایاں کیا۔

نمود جس کی فراز خودی سے ہو، وہ جمیل ؛ جو ہو نشیب میں پیدا، قبیح و نامحبوب

اب جیلانی کی تعریفوں کے پُل خاندان کے تمام لوگ باندھ رہے تھے اور دعاؤں کی آوازیں بھی نکل رہی تھیں۔ زمانہ مسکرا کر کہہ رہا تھا — ان خودی اور ایمان سے محروم لوگوں کی تعریفیں کیا اور دعائیں کیا؟ — فلک ماں کی دعائیں اور تعریفیں سنکر پوچھ رہا تھا اُسے محترم خاتون! وہ وقت بھی تھا کہ اس فرزند کی جان کی پرواہ نہ تھی بلکہ دختر کلاں کے چلّہ کے غیر مسلم رسومات کی ادائی میں غلط انداز سے روپیہ برباد کر کے اس بیٹے کے ساتھ کس بے رحمی کا برتاؤ تم نے کیا اور موت اور حیات کے صواب دید پر تم نے اسے چھوڑ دیا تھا؟ کیا اس کا حساب بروز حشر تمہیں دینا نہیں ہوگا — ضرور دینا ہوگا۔ میری نصیحت ہے کہ علامہ اقبال کی آواز ونصیحت سن اور آئندہ کے لئے اپنا رویہ وکردار کی حفاظت کر۔

وجود کیا ہے فقط جوہر خودی کی نمود ؛ کر اپنی فکر کہ جوہر ہے بے نمود ترا

سعید اور چھوٹے برادران کی تعلیم

اکبر الدین، وقار الدین بوقت انتقال منصف مجسٹریٹ صاحب میٹرک میں اور غازی الدین چہارم یا پنجم میں زیر تعلیم تھے بعد انتقال بھی جیلانی نے ان کے لئے ٹیوٹر رکھا۔ پھر بھی میٹرک میں فیل ہوئے۔ خیر ایک وقت آیا کہ کامیاب ہو کر کالج میں آئے تو سعید نے جیلانی سے پوچھا "جیلانی! اکبر محبوب میٹرک پاس کر لینے کے بعد بھی آگے کالج میں پڑھانا میں نہیں جانتا کہ کب تک تمہاری ہمت ساتھ دیگی۔ جیلانی نے جواب دیا جب تک اللہ کی مدد ساتھ رہے گی۔ جیلانی کی مکمل تنخواہ تقریباً قرضہ کی ادائی پر باندھ دی گئی تھی۔ صرف چالیس روپے بچ رہے تھے والدہ کی منصب و وظیفہ جس خدمت اب جمت ثابت ہو رہے تھے جسکی اجرائی کو سعید نے غیر ضروری بتایا تھا۔ اب سعید چاہتے تھے کہ اگر اکبر و محبوب نوکر ہو جائیں تو ماہانہ سعید صاحب جو پہلے (۷۵) پھر سو روپے روانہ کر رہے تھے اب سوا سو [۱۲۵] روپے اس مرتبہ روانہ کیا تھا اس سے وہ بچ جائینگے۔ افسوس جیسی نیت تھی قدرت نے ایسا ہی کیا کہ وہ ہمیشہ کے لئے رقم روانہ کرنے سے محروم ہی ہوگئے مگر بفضل خدا چھوٹے بھائیوں کی تعلیم جاری رہی۔

(۴) کیسی کیسی دختران مادر ایام ہیں

(علامہ اقبال)

آخر ریاست حیدرآباد اور نظام خاندان کے زوال کا وقت آگیا اور پولیس ایکشن کے نام سے انڈین یونین کی فوجیں نظام کی حکومت میں داخل ہوگئیں اور مسلمانوں کی زندگانیوں میں زلزلہ آگیا۔

کئی کی نوکریاں جاتی رہیں۔ کتنی بھوک کے مرنے لگے۔ کئی جانیں تلف ہوئیں۔ مسلمان معصوم بچے موت کے گھاٹ اتر گئے کئی مظلوم عورتوں کی عصمتیں برباد ہوئیں۔ گھر لوٹ لئے گئے۔ اطمینان و سکون کا قحط پڑ گیا۔ مصائب بادل بن کر آسمانوں پر چھا گئے۔ مسلمانانِ حیدرآباد اور ریاست نظام کے لئے بقول علامہ حالت یہہ ہوئی کہ۔

زلزلے ہیں بجلیاں ہیں قحط ہیں آلام ہیں ؎ کیسی کیسی دختران مادر ایام ہیں

(۵) مردِ حُر زنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج (علامہ اقبال)

سعید مریال گوڑہ سے بھاگ آئے

اس وقت سعید تحصیلداری مریال گوڑہ ضلع نلگنڈہ میں تھے۔ جوں ہی ضلع میں فوجیں داخل ہوئیں، سعید بربناء خوف بھاگ کر حیدرآباد آگئے۔ اب پریشانیاں اپنی انتہا پر تھیں۔ ایک رات پولیس اسٹیشن میر چوک گھر پر آئی اور سعید کو ساتھ لے گئی۔ یہہ ایک تکلیف دہ حادثہ تھا۔ سوہانِ روح ــــ اور دل و دماغ ہلا دینے والا۔ گھر پر ایک سکتہ تھا۔ مگر اب سعید کو حراست میں جاکر دیکھنے والا اس سے ملنے والا اور اسکی پیروی کرنے والا خاندان میں کوئی نہ تھا۔ سعید میاں ان کے ساتھ رہنے والے اور دوست کہلانے والے ان کا نام بھی نہ لیتے تھے نہ کوئی عزیز ــــ سب اپنی عزت اور جان کی خیر منا رہے تھے۔ آخر جیلانی ایک ایسا دیوانہ تھا جس نے میر چوک اسٹیشن پر جاکر دریافت کیا۔ سعید کہاں ہیں۔ جواب دیا گیا کہ حوالات سیف آباد روانہ کر دیا گیا ہے۔ اب نہیں صبح جاکر مل سکتے ہو۔ وہ رات تمام نیند سے محروم لیٹے لیٹے کروٹیں بدلتا کبھی اٹھکر ٹہلتا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اسے تو چاہنے والا کوئی نہیں حتیٰ کہ ماں کی محبت کو بھی اس نے بچپن میں آزمالیا تھا اس کے بھائی نے تو اس کے مستقبل کا کوئی خیال ہی نہیں کیا تھا۔ آخر اسے اس بھائی اور خاندان سے محبت اس قدر بے چینی کیوں ــ ؟

علامہ اقبال کے اشعار اس کی زبان پر آنے لگے۔

میں جوشش اضطراب سے سیماب وار بھی ؎ آگاہ اضطراب دل بے قرار بھی

تھا یہ بھی کوئی ناز کسی بے نیاز کا ؎ احساس دے دیا مجھے اپنی گداز کا

یہہ آگہی مری مجھے رکھتی ہے بے قرار ؎ خوابیدہ اس شرر میں ہیں آتش کدے ہزار

جیلانی نے مشکل سے صبح کی اور سیف آباد حوالات پہنچا؟ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے جب کہ اس نے اپنے بھائی کو سلاخوں کے دروازے کے پیچھے دیکھا۔ تحصیلدار جن کے ہاتھ میں تحصیلداری کے اختیارات

کی شمشیر اور قلم بصورت نیزہ رہا کرتا تھا آج اسکی بے بسی کہہ رہی تھی یا خود وہ علامہ اقبال کی زبان میں اپنی زبان خاموشی سے کہہ رہا تھا۔

اک فغاں بے شرر سینے میں باقی رہ گئی ؎ سوز بھی رخصت ہوا جاتی رہی تاثیر بھی!
مرد خرد زنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج ؎ میں پشیماں ہوں پشیماں ہے مری تدبیر بھی!

جیلانی اور سعید دونوں نے اپنے اپنے دل سنبھالے گفتگو کی۔ ابھی تک کھل کر سامنے نہ آئے تھے کہ وجہ گرفتاری کیا ہے پھر سعید کو مریال گوڑہ اسکے مستقر جہاں اس نے تحصیلداری کی تھی لیجایا گیا۔ اس زمانہ میں مریال گوڑہ ہی کیا مکمل ضلع نلگنڈہ کمیونسٹوں کے مظالم کے پنجۂ گرفت میں تھا۔ پھر پولیس ایکشن کے بعد ہندو خود اضلاع میں متعصب ہوکر مسلمانوں کو رضا کار کہنے لگے اور مسلمانوں کے سخت دشمن ہوگئے تھے۔ جیلانی نے بلاخوف اللہ کا نام لیکر مریال گوڑہ میں قدم رکھا۔ جیل کے مہتمم کو سعید سے ملنے کے سلسلہ میں درخواست دیکر اجازت ملاقات حاصل کی۔ سعید کو جیل کے باہر کے حجرے میں لایا گیا جیلانی آبدیدہ ہوگیا جب بھائی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں تو اسے محسوس ہوا کہ وہ شاعر مشرق کی زبان بنا کہہ رہا ہو۔

وہ دن گئے کہ قید سے میں آشنا نہ تھا ؎ زیب درخت طور میرا آشیانہ تھا
قیدی ہوں اور قفس کو چمن جانتا ہوں میں ؎ غربت کے غمکدے کو وطن جانتا ہوں میں
یاد وطن افسردگی سبب بنی ؎ شوق نظر کبھی، کبھی ذوق طلب بنی

گفتگو ہوئی۔ معلوم ہوا کہ ظالم حکومت نے سعید پر ہر وہ الزام لگایا ہے جس کا اس سے دور کا بھی تعلق نہ تھا۔ (۱) زنا بالجبر (۲) آتش زنی (۳) رشوت (۴) سرکاری رقم میں تصرف (۵) رعایا پر ظلم و ستم۔ جیلانی نے کہا یہ صرف الزامات ہیں اولاً تو انشاءاللہ ثابت ہی نہ ہونگے اگر غلط انداز سے ثابت کئے جائیں تو مقدمہ تو عدالت میں چلے گا آپ انشاءاللہ کامیاب اور بری ہو جائیں گے۔ جیلانی شہاب الدین بیرسٹر سے وقتاً فوقتاً مشورہ لیتا تھا ان کے مشورہ سے جیلانی نے مہتمم سی۔ آئی۔ ڈی برانچ اور اس کے مددگار وینکٹ رامیا سے جہاں کیس زیر تحقیقات تھا کئی ملاقاتیں کیں۔ دونوں نے کہا کہ ابھی آپ کو انتظار کرنا چاہیئے کہ کیس زیر تحقیقات ہے۔

(۶) محکوم کا اندیشہ گرفتار خرافات

(علامہ اقبال)

مفسدی بیگم کے شوہر نے طوفان مچادیا

سعید مریال گوڑہ جیل میں نظربند تھے۔ سیدزادے جو پولیس ایکشن تک شمس آباد پائیگاہ کے تحصیلدار تھے آج خود بھی پریشان تھے اور سسرال کو بھی پریشان کر رہے تھے جو دوہ بگنڈی کے دور تحصیلداری کے زمانہ میں بڑے بڑے

بیچوٹی کے ہوٹلوں میں قیام فرماتے، سسرال میں قیام ان کے شایانِ شان نہ تھا۔ اس دور تحصیلداری میں ان کا دماغ آسمان کو بھی ہیچ سمجھ رہا تھا آج ان کی پریشانی آہ وزاری ناقابلِ دید اور باعثِ عبرت تھی۔ پولیس ایکشن کے بعد جاگیرات اور پائیگاہ ختم کردی گئی تھیں یہاں کے ملازمین کو یا تو حکومت کسی عہدہ پر اپنے پاس ضم کرلینا چاہتی تھی یا انہیں گھر بٹھا دینے پر غور کررہی تھی۔ پولیس ایکشن نے غلامی کا طوق تو پہنا ہی دیا تھا اب اندیشہ بقول علامہ اقبال "گرفتار خرافات" بن کر انہیں ناچار ہا تھا۔ زمانہ تحصیلداری کے مظالم ان کے سامنے بھوت بن کر آرہے تھے زمانہ تحصیلداری لادسانگوئی میں جب یہ تحصیلدار تھے وہاں انہوں نے ایک موقعہ پر فائرنگ کا حکم دیا تھا۔ اس کے لئے یہ تو خود پریشان تھے حالانکہ بڑا طویل عرصہ گزرچکا تھا اور ان کے ملنے والوں نے انہیں اور پریشان کیا کہ ان کی گرفتاری کے احکام نکل چکے ہیں اور وہاں کی رعایا جن کے متعلقین فائرنگ میں مرگئے تھے وہ خود انہیں گرفتار کروانے حیدرآباد آئے ہوئے ہیں۔ سعید تو زیر حراست رہ کر بھی مستقل مزاجی کا ثبوت دے رہے تھے یہ سید زادے مکان میں بیٹھے کپکپارہے تھے اور خودکشی کرلینے کی سوچ رہے تھے۔ منصف مجسٹریٹ صاحب کے بعد سے گھر کا ماحول لگاتار پریشانیوں سے بیحد متاثر تھا پھر سعید کی گرفتاری نے ماحول کو انتہا درجہ المناک بنادیا تھا۔ جیلانی نے سید زادے کو مدراس چلا جانے کا مشورہ دیا۔ جواب ملا کہ اگر میں گھر سے بھی نکلوں تو فوری پولیس اور لادسانگوئی کے لوگ مجھے پکڑ لینگے نامپلی اسٹیشن پر بھی پولیس میری تلاش میں ہوگی اس گھر میں بھی پولیس آجانے کا مجھے قوی امکان ہے۔ جیلانی پاشاہ آپ ہی خاندان میں ہیں جو کچھ کرسکتے ہیں اس گھر میں بھی مجھے خطرہ ہے۔ خیر بازو کے ایک خالی گھر میں انہیں رکھا گیا۔ جعفری کے گھر عثمان پورہ سے ٹیکسی کو بارہ بجے رات آنے بات کی گئی۔ جیلانی نے اپنی والدہ کو پہلے ہی جعفری کے گھر میں چھوڑ دیا تھا۔ سید زادے کو رات کے بارہ بجے رکشا میں پردے لگاکر عثمان پورہ لے جایا گیا۔ جیلانی نے اپنے ایک دوست قطب الدین کو بھی ساتھ لے لیا تھا۔ والدہ اور قطب الدین اور بیدری بادشاہ کو لئے جیلانی ٹیکسی کو پردہ لگائے محبوب نگر اشفاق کے گھر پہنچا اور وہاں سے مدراس جانے والی ٹرین سے سید زادے کو قطب الدین کے ہمراہ مدراس روانہ کرکے جیلانی، والدہ کو محبوب نگر سے لئے حیدرآباد واپس ہوا۔ سید زادے نے راستے میں بھی قطب الدین کو کافی پریشان کیا قطب الدین کا بیان تھا کہ سید زادے یہاں پولیس کو دیکھتے قطب الدین صاحب پولیس آگئی کہکر ہاتھ پکڑ لیتے۔ ایک پولیس کا جوان ڈبہ میں داخل ہوا، سید زادے کپکپانے لگے اور قطب الدین کے ہاتھ پکڑکر "بچاؤ" کہنے لگے۔ قطب الدین نے ڈرایا اور کہا کہ وہ خود سفر کرنے کے لئے ڈبہ میں چڑھا ہے آپ کی یہ حرکات آپ کے ساتھ مجھے بھی گرفتار کروادے گی۔ آنکھیں بند کرکے سوجایئے۔ بڑی مشکل سے مدراس پہنچے۔ وہاں بھی انگوٹھی کا نگینہ نیلم کھاکر خودکشی کرنے کی سوچنے لگے۔ انگوٹھی لے لی گئی، پھر مدراس کے سمندر میں گرجانے کی

سوچنے لگے علامہ اقبال نے سچ کہا ہے۔

آزاد کا ہر لحظہ پیام ابدیت ؎ محکوم کا ہر لحظہ نئی مرگ مفاجات
آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور ؎ محکوم کا اندیشہ گرفتار خرافات

جیلانی نے مکمل تحقیقات کیں - کوئی گرفتاری کے احکام ان کے خلاف نکلے ہی تھے اور نہ کوئی کاروائی ہی زیر دوران تھی بلکہ پائیگاہ کے کم عمر تحصیلداروں کو حکومت نے پیشکاری پر لینا طے کرلیا تھا - ان سید زادے کا نام بھی پیشکاری محبوب نگر کی فہرست میں تھا - پیشکار یعنی تحصیلدار کا مددگار - گو اب یہ خدمت تنزلی کے ساتھ سہی قابل وظیفہ تھی اور تنخواہ پائیگاہ کی تحصیلداری سے زائد تھی اور گھر میں بیروزگار رہنے سے بہتر تھی - اطمینان اور مکمل معلومات کے بعد جیلانی طوفانی دورہ کی شکل میں مدراس پہنچا اور سید زادے کو سمجھایا قسمیں کھائیں یقین دلایا صحیح حالات سے واقف کروایا اور آخر کار محبوب نگر کی پیشکاری پر رجوع کروایا جو وہ نائب تحصیلداری تک پہنچے۔ اب سید زادے کی شاہانہ زندگی ختم ہوگئی تھی رشوت برائے نام یہاں بھیک کی طرح مل رہی تھی - غم انہیں کھائے جانے لگا - ذیابطیس کی بیماری میں مبتلا ہوگئے اس بیماری نے گھلا گھلا کر دبلا و اس قدر لاغر کر دیا کہ تحصیلداری کا گوشت دپوست تحلیل ہوکر رہ گیا صرف ہڈیوں پر گویا پوست رہ گیا تھا - ہمیشہ زمانہ سے شکوہ شکایت اور ماضی کی کہانی زبان پر رہتی تھی - آمدنی ناکافی' زیور سب فروخت ہوچکا' ذاتی مکان بھی خریدا نہیں' پانچ بیٹیاں چار بیٹے' کسی کا کوئی مستقبل نہیں - بعض اوقات اپنے سالے جیلانی سے کہتے اگر میں معمول خرچی کے بعد بھی رکھنا چاہتا تو ستر ہزار روپے آج ضرور رکھتا جو آج کے کئی لاکھ ہوتے' مجھے کیا معلوم تھا کہ تقدیر مصیبت کے یہ دن مجھ پر لائے گی - تقدیر کا رونا رونے والے کے بارے میں علامہ اقبال نے سچ فرمایا ہے۔

اک آن میں سو بار بدل جاتی ہے تقدیر ؎ ہے اس کا مقلد ابھی ناخوش ابھی خورسند

(۷) یہہ کافری تو نہیں کافری سے کم بھی نہیں (علامہ اقبال)

زوال پذیر مسلمان قوم اور توہم پرستی

سعید کی حراست اور گھر کی پریشانیاں اپنی انتہا پر تھیں سید زادے کو مدراس سے لاکر پیشکاری محبوب نگر پر رجوع کروادیا گیا - اب سید زادے کا ایک کارڈ محبوب نگر سے آیا کہ محمدی اسکی بیوی شدید علیل ہیں زندگی کی امید و توقع نہیں - پھر ایک کارڈ کچھ ہی دیر بعد وصول ہوا کہ انتقال ہوگیا اور دفن بھی کردیا گیا - جیلانی نے یہہ اطلاع والدہ سے چھپائی اور طوفانی انداز سے ذریعہ بس محبوب نگر بھاگا

اور رات کے دس بجے محبوب نگر پہونچ کر جب گھر میں داخل ہوا تو مفسری بیگم صحن میں بیٹھی تھی اسکو دیکھکر قہقہے لگانے لگی۔ معلوم ہوا کہ کوا کڑی کو دیکھا تھا تو اسطرح کا ٹوٹکا ضروری تھا۔ گویا کسی کی جان گئی اور بیماری ادا ٹھری۔ جیلانی نے سید زادے سے پوچھا آپ کے بھائیوں کو آپ نے کیوں نہ لکھا جواب دیا وہ کیوں پریشان ہونے لگے۔ پریشان ہونا ہی ٹوٹکا ہے۔ یہ سنگدل جب اپنے پر مصیبت آتی ہے یا آنے کا گمان بھی ہوتا ہے تو خود ہی پریشان نہیں ہوتے بلکہ دوسروں کو پریشان کرتے ہیں اور دوسروں کی مصیبت اور پریشانیوں کا احساس نہیں رکھتے۔ توہم پرستی میں گرفتار رہتے۔ ٹوٹکا کرکے اس پر بھروسہ رکھتے اللہ کی تقدیر پر انہیں بھروسہ نہیں رہتا۔ توہم پرستی نہ صرف دل کو مردہ کردیتی ہے بلکہ شرک میں مبتلا کرکے ایمان سے محروم خدا سے دور کردیتی ہے تو گویا مسلمان بے روح بن کر زندہ نظر آتا ہے اللہ ایسے بے روح انسانوں سے بیزار رہتے ہیں جیسا کہ حکیم الامت فرماتے ہیں۔

تن بے روح سے بیزار حق ؎ خدائے زندہ زندوں کا خدا ہے
خرد نے کہہ بھی لا الہ تو کیا حاصل ؎ دل و نگاہ مسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں
دل مردہ، دل نہیں ہے اسے زندہ کرو دوبارہ ؎ کہ یہی ہے امتوں کے مرض کہن کا چارہ

(۸) چمن میں گل چیں سے غنچہ کہتا تھا اتنا بیدرد کیوں ہے انساں ؟ (علامہ اقبال)

جیلانی کو اس کم عمری میں چین نہیں تھا۔ لگاتار کام مصائب پریشانیاں۔ خاندان کے ہر فرد کے مصائب کو یہ دیوانہ اپنے مصائب سمجھا ہوا تھا۔ قدرت کے ازل کے قلم نے گویا اسکو خاندان کے نوحہ خوانوں میں لکھکر سب کا رونا اسے لگادیا تھا۔ بقول حضرت اقبالؔ۔

دیا رونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا ؎ لکھا کلک ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ خوانوں میں
مرا رونا نہیں، رونا ہے یہ سارے گلستاں کا ؎ وہ گل ہوں میں خزاں ہر گل کی ہے گویا خزاں میری

جیسا کہ جیلانی کے بھائی سعید نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا کہ "میرے بھائی ! پریشانیاں وافکار کی حد وانتہا ہوچکی ہے اور مجھے اس کا بھی بخوبی احساس ہے کہ تمہارے لئے اس عمر میں جو کہ بے فکری وکامرانی کا جام بدست ہوتی ہے یہ افکار دتند وتیز مصائب وحوادث ستم ہیں۔" سیدزادے کی چکر میں رہ کر جیلانی سعید سے ملاقات کرسکا نہ تحقیقات کے بارے میں معلومات کرسکا۔ اسی الجھن میں اس نے سید میاں سے کہا "سعید کے ساتھ ساتھ رہنے دوستی کے بھی دعوے تھے، سعید کر جیل جاکر مہینوں ہوگئے۔ سعید کو کبھی ورنگل گوڑہ جیل کبھی نلگنڈہ جیل کبھی حیدرآباد سنٹرل جیل چنچل گوڑہ میں رکھا گیا مگر آپ نے آج تک ایک بار بھی تین رشتے یعنی دوست، ماموں زاد بھائی اور حقیقی سالے سے ملاقات نہیں کی اور نہ تحقیقات جو رہی ہے اس کے بارے میں معلومات کیں۔ خصوصاً

جبکہ میں سید زادے کے سلسلے میں مصروف تھا، جیلانی کی حیرت کی حد وانتہا نہ رہی جب تک سید میاں نے ایک بڑی آواز نکالی اور چیخا کر " لونڈا بہت بڑھ گیا ہے اگر کچھ کرتا ہے تو دوسروں پر احسان بتلاتا ہے پھر ساس سے مخاطب ہو کر کہا " مومانی ماں آپ نے جیلانی کو بہت بڑھا دیا ہے" جیلانی کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ ماں نے سید میاں سے یہ تک نہیں کہا کہ میاں ! تم لونڈا کس کو کہہ رہے ہو وہ تو مصائب سے ٹکراتے ٹکراتے تھک گیا ہے۔ پھر اس نے بات ہی کیا بُری کہی تھی اور میں نے اسے کیا بڑھا دیا ہے جبکہ وہ رات دن مصائب کاٹ کا رہے" شاید بادشاہ محی الدین کے واقعہ کے بعد انوری کو سید میاں نے جو قبول کر لیا تھا ماں اسی کو غنیمت سمجھ رہی تھی۔ جیلانی نے سوچا یہ کام کا وقت ہے اور یوں بھی سید میاں اس گھر کا پروردہ تھا اور ہمیشہ ہر ایک سے نرم گفتگو ہی کرتا تھا جب سے بادشاہ محی الدین کا واقعہ ہوا اور اس نے انوری کو پھر قبول کر لیا اب اسکی آواز گھر والوں پر اونچی نکل رہی تھی مگر محبوب علی کے سامنے اس کی کچھ نہ چلتی تھی جب کہ وہ انوری کو گھور گھور کر دیکھتا اور میاں دیکھنے پر انگلی پکڑ لیتا تھا۔ اسی سلسلہ میں اس نے محبوب علی کی شکایت خود جیلانی سے کئی بار کی تھی اور آج وہی سید میاں جیلانی سے اس انداز سے مخاطب تھا گویا وہ کسی نوکر نہیں بلکہ بچے کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ جیلانی کے والد کے قول کے مطابق وہ ایک عیاش اور شرابی باپ کا لڑکا تھا تو احساس فرائض کہاں سے لاتا۔ وہ ہی نہیں بلکہ اس کی ماں بھی جیلانی کے باپ کے روپیہ سے پرورش پاتی رہی اور آج جب سید میاں پر حق نمک ادا کرنے اور انسانیت اور شرافت کے مظاہرہ کرنے کا وقت آیا تو وہ خود غرضی اور بے حسی کا مظہر اور مجسم نظر آنے لگا۔ قدرت جب کسی فرد یا زوال پذیر قوم پر عذاب و قہر نازل فرمانا چاہتی ہے تو اس سے خودی اور قوت حس اور احساس چھین لیتی ہے تاکہ دائمی ذلت اس کا مقدر بن جائے۔ اس شخص کی موت کس قدر بھیانک اور عبرتناک حالت میں ہوئی جلد دوم میں آئے گا۔ علامہ اقبال بڑے درد سے فرماتے ہیں ؎

وائے ناکامی متاع کارواں جاتا رہا
کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا

خودی ہو علم سے محکم تو غیرت جبریل
اگر ہو عشق سے محکم تو صور اسرافیل
نظر نہیں تو مرے حلقۂ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثال تیغ اصیل

تیرھواں باب

(۱) ہر دل مئے خیال کی مستی سے چور ہے (علامہ اقبال)

اب جیلانی طوفانی رفتار سے مجبوب نگر کی واپسی اور سعید میاں کی نا معقول گفتگو بعد سنٹرل جیل چنچل گوڑہ میں سعید سے ملا۔ پھر سعید کو ملگنڈہ لے جایا گیا۔ تحقیقات میں تو کچھ ثابت ہو ہی نہیں رہا تھا مگر چونکہ گرفتار کیا گیا تھا حکومت چاہتی تھی کہ ایک ہی جرم سہی عائد کر کے مقدمہ چلائے۔ سعید نے جیلانی سے کہا کہ باری انسپکٹر پولیس کو ساڑھے تین ہزار روپے پہنچانے کی کوشش کرو۔ بڑا اہم مسئلہ تھا۔ جیلانی کی تنخواہ تو جعفری کے قرضہ میں وضع ہو رہی تھی صرف چالیس ۴۰ روپے بچ رہے تھے۔ آخر نجمہ نے ایک زیور بیچ کر تین ہزار روپے شوہر کو جیل سے رہا کرانے دیئے ــــ! ہاں اسی نجمہ نے ــ جس پر سعید سوتن لائے تھے۔ اسی نجمہ نے ــ جسکی زندگی ساس اور نندوں نے غیبتیں کر کے دوبھر کر دی تھی بلکہ سعید کو اس نیک خصلت عورت پر سوتن لانے کا اشارہ اسکی ماں نے اپنی بیٹی انوری اور داماد سعید میاں کے سمجھانے سے دیا تھا یعنی اسی جینا کو سوتن بنا کر لانے کا مشورہ جسکو بدکردار اور بدچلن بتلا کر نجمہ کو بہو بنا کر لائے تھے۔ طئے ہوا کہ پانچسو کی تکمیل کے لئے جینا سے کہا جائے کہ وہ گلے کا نکلس دیدے تو جینا نے کہا کہ سعید کبھی رہا نہ ہو اور نکلس بھی چلا جائے تو کیا ہوگا ــ؟۔ اس کی اس حرکت پر نہ صرف سعید بلکہ سعید کی ماں اور بہنوں نے اس سے ہمیشہ کے لئے گلو خلاصی کا فیصلہ کر لیا۔ اب دیکھنا ہے کہ سعید رہا ہو کر اپنے فیصلہ پر کس حد تک قائم رہتے ہیں! قدرت ایسا وقت لاتی ہے کہ حقیقت نمایاں ہو کر سامنے آجاتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید علامہ اقبال نے گویا حسب ذیل اشعار نجمہ جیسی فرشتہ خصلت بیوی بہو اور بھاوج جو شمع بن کر خود جل رہی اور سب کو روشنی دے رہی تھی اسی کے لئے کہے ہوں۔

ہو شمع بزم عیش کہ شمع مزار تو ؎ ہر حال اشک غم سے رہی ہمکنار تو

ہے شان آہ کی ترے دودِ سیاہ میں ؎ پوشیدہ کوئی دل ہے تری جلوہ گاہ میں

تو جل رہی ہے اور تجھے کچھ خبر نہیں ؎ بینا ہے اور سوز دروں پر نظر نہیں

جینا اور نندوں وساس محترم جنہوں نے غیر صحیح جذبات اور غیبتوں کے مکتب کھول نجمہ نیک خصال کی زندگی برباد کرنے کی کوشش کی تھی حکیم الامت ان کی گویا یوں تعریف فرماتے ہیں۔

اقبال یہاں نام نہ لے علم خودی کا ؎ موزوں نہیں مکتب کیلئے ایسے مقامات

ہر دل مئے خیال کی مستی سے چور ہے ؛ کچھ اور آج کے کلیموں کا طور ہے
بادہ ہے نیم رس ابھی شوق ہے نارسا ابھی ؛ رہنے دو خم کے سر پہ تم خشتِ کلیسا ابھی

(۲) آزاد مجھ کو کر دے او قید کرنے والے (علامہ اقبال)

سعید کے حسب ہدایت انسپکٹر باری کو رقم بھیجا کر سعید کو اطلاع دیدی گئی۔ سعید کے کہنے پر پھر انسپکٹر باری سے جیلانی نے ملاقات کی تو باری نے کہا کہ تحقیقات میں کچھ ثابت نہیں ہوا۔ رپورٹ دیدی گئی ہے کہ مقدمہ تو چلایا نہیں جا سکتا احکام کے آتے ہی عنقریب رہائی عمل میں آئے گی۔ سعید کو اب چنچل گوڑہ حیدرآباد کی سنٹرل جیل منتقل کر دیا گیا تھا۔ ادھر عید الضحیٰ آرہی تھی والدہ سعید بے چین تھیں' چھ ماہ کا عرصہ گرفتار ہو کر ہو چکا تھا۔ سعید کا خود بقول حضرت اقبال یہ حال ہو گیا تھا کہ ؎

کیا بدنصیب میں ہوں گھر کو ترس رہا ہوں ؛ ساتھی تو ہیں وطن میں' میں قید میں پڑا ہوں
آئی بہار کلیاں پھولوں کی ہنس رہی ہیں ؛ میں اس اندھیرے گھر میں قسمت کو رو رہا ہوں
اس قید کا الٰہی دکھڑا کسے سناؤں ؛ ڈر ہے یہیں قفس میں میں غم سے مر نہ جاؤں
جب سے چمن چھٹا ہے یہ حال ہو گیا ہے ؛ دل غم کو کھا رہا ہے غم دل کو کھا رہا ہے
آزاد مجھ کو کر دے او قید کرنے والے ؛ میں بے زباں ہوں قیدی تو چھوڑ کر دعا لے

جب جیلانی کو پتہ چلا کہ یہ کاروائی وینکٹ راما اسٹینٹ سپرنٹنڈنٹ سی آئی ڈی برانچ کے ہاں سے ہے وہ اپنے دوست قطب الدین کو لیا اس کے گھر کا پتہ معلوم کر کے بعد مغرب گھر پہنچا اور عید کی آمد والدہ کی بے چینی اور سعید کی رہائی کی خواہش اور عاجزانہ درخواست کی۔ وینکٹ راما نے برہم ہو کر سوال کیا تم اس وقت میرے گھر کیوں آئے کیوں نہ تمہیں گرفتار کر لیا جائے۔ جیلانی اور قطب نے گلوگیر آواز میں سعید کی والدہ کی ضعیفی اور بیماری اور بیقراری کا ذکر کیا۔ شاید اسے جیلانی اور قطب کی کم عمری برادر والدہ کے حالات کہنے پر رحم آگیا۔ کہا' بابا! اس طرح ہمارے گھر آجانا ٹھیک نہیں لوگ کیا کہینگے کہ گویا تم نے کچھ دیا اور ہم نے لیا ہے۔ دیکھو سیندھی خانے میں جا کر بغیر سیندھی پیئے باہر آجاؤ تو لوگ تو پی کر نکلے ہیں کہیں گے ـــــ ہے نا"؟

ہم نے معافی چاہی اور کہا آپ سچ فرماتے ہیں ہمارے پاس ہے کیا جو ہم کسی کو دے سکیں"؟ ہنسا اور کہا جاؤ' اور اطمینان کے ساتھ جاؤ۔ خدا نے اس کا دل نرم کر دیا تھا' دو روز میں کاروائی مکمل ہوگئی تیسرے روز سعید رہا ہو کر خود سے گھر پر آگئے۔

(۳۲) جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو

(علامہ اقبال)

ریاست حیدرآباد یعنی نظام دور حکومت کا مسلمان اس قدر ناکارہ آرام طلب اور تن آسان ہو چکا تھا کہ نہ کسی فن سے واقف تھا نہ تجارت ہی کے لئے اہل تھا۔ محنت سے عاری۔ سلامت روی اور شرافت دور اندیشی سے ناآشنا۔ امیر پائیگاہ، جاگیردار منصبدار معطعہ دار لیومیہ دار اور قرضدار بر حال دار پر چڑھا زندگی اور موت کی کشمکش میں رہکر اپنے کو زندہ سمجھ رہا تھا۔ بقیہ مسلمانوں کی اکثریت کا پیشہ ملازمت تھا چاہے وہ سرکاری ہو یا جاگیرات پائیگاہ کی یا بالکل خانگی۔ ایسے بھی تھے جو بالکل ناکارہ ہی ناکارہ بن کر کسی پر بوجھ بنے بچار رہے تھے۔ علامہ نے خوب نقشہ کھینچا ہے۔

جن کو آتا نہیں دنیا میں کوئی فن تم ہو ؛ نہیں جس قوم کو پروائے نشیمن تم ہو
بجلیاں جس میں ہوں آسودہ وہ خرمن تم ہو ؛ بیچ کھاتے ہیں جو اسلاف کے مدفن تم ہو
ہر کوئی مست مئے ذوق تن آسانی ہے ؛ تم مسلمان ہو؟ یہ انداز مسلمانی ہے

سعید کی ملازمت برخواست

ان حالات میں سعید جیل سے رہا ہوکر گھر آگئے تھے۔ تعزیرات کے جرائم ثابت نہ ہونے کی بناء پر رہا تو ہو چکے تھے مگر انتظامی شکنجہ میں جکڑ کر ملازمت سے علحدہ کر دیا گیا تھا۔ واقعہ یہ تھا کہ مریال گوڑہ جو کمیونسٹوں کا علاقہ تھا۔ کمیونسٹوں نے غریبوں کی جھونپڑیاں جلادی۔ تعلقدار معظم جس نے سنتے ہی مریال گوڑہ کا دورہ کیا اور لیوی کی رقم میں سے فوری ان مصیبت زدہ غریبوں کی مدد کا زبانی حکم دیا۔ سعید نے تحریری حکم چاہا تھا کہ عین مستقر پر پہنچ کر رمانہ کرونگا کہ پولیس ایکشن ہو گیا۔ سعید کے ساتھ معظم حسین بھی گرفتار ہوئے تھے انہیں زبانی حکم دینے کا اقرار تھا اور رقم لینے والوں کی مثل قائم تھی رقم لینے والوں کو رقم لینے کا اقبال تھا لیکن زبانی حکم دینے اور زبانی حکم کی تعمیل کرنے کی بناء پر سعید اور معظم حسین دونوں ملازمت سے برطرف کر دیئے گئے تھے۔ اسطرح بعد پولیس ایکشن مسلمانوں پر مظالم کرنے کے بہانے ڈھونڈ کر انہیں پریشان کیا جا رہا تھا۔

سعید میدان عمل میں

سعید نہ کاروبار کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے نہ خانگی ملازمت مل سکتی تھی۔ البتہ عاشقی و بوالہوسی کرنے کے فن میں ماہر تھے۔ قلم کے ذریعہ وہ ماں باپ بھائی بہن اور بیوی کے حقوق ادا کرنے میں مہارت رکھتے تھے۔ حمیت کا فقدان تھا۔ عمل اور محنت کے فلسفہ سے ناآشنا۔ خودغرضی شیوۂ حیات نفس پرستی خدا پرستی سے زائد انکے لئے اہمیت کی حامل۔ جو ان کے لئے قربانی کرتا وقت نکل جانے پر طوطا چشمی سے کام لینے میں مہارت

رکھتے تھے بقول علامہ اقبال عمل کے ہر موقعہ پران کا یہ حال تھا کہ ـــــ ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو۔

(۴) تھے ہمیں ایک ترے معرکہ آراؤں میں (علامہ اقبال)

جیلانی مبتلائے کشمکش

بڑی پریشانیوں کا سامنا تھا۔ جیلانی کی تنخواہ اس کی چھوٹی بہن کی شادی میں لئے ڈھائی ہزار کے قرضہ میں وضع ہورہی تھی اب سترہ سو قرض باقی تھا۔ نجمہ نے ایک زیور فروخت کرکے سترہ سو جیلانی کردیئے۔ جیلانی نے بطور قرض وہ رقم لیکر دفتر میں داخل کی۔ اب جیلانی کی تنخواہ گھر میں آنے لگی۔ والدہ کا وظیفہ رعایتی معہ گرانی الاؤنس و منصب جو جیلانی نے طوفانی پیروی کرکے جاری کروائے تھے وہ (۷۵) روپے اب نعمت نظر آرہے تھے جن کی اجرائی کیلئے سعید نے پیروی کے مشکلات ظاہر کرکے بڑی بے نیازی سے کہدیا تھا کہ اس کی کیا ضرورت ہے کیا ہم مرگئے ہیں؟ آج سعید مرے تو نہیں مگر زندہ تھے مگر خدا جانے کن کن اعتبار سے مرچکے تھے ـــــ ان پریشان کن حالات میں ایک گریجویٹ سعید کے لئے ٹیوشن کرانا بھی بار تھا۔ علامہ اقبال نے کس قدر صحیح فرمایا ہے۔

وہ کل کے غم و عیش پہ کچھ حق نہیں رکھتا ؛ جو آج خود افروز و جگر سوز نہیں ہے

کاروبار ریڈی میڈ

ابراہیم نامی ایک شخص نے مشورہ دیا کہ ریڈی میڈ کے کاروبار بہتر رہیں گے۔ رقم کہاں تھی۔ جیلانی نے خالہ جسکو وہ ماں پکارتا تھا سمجھایا کہ سعید بالکل لاچاری کے عالم میں ہے۔ اگر آپ مکان فروخت کردیں تو ماہانہ کرایہ جو مکان کا آرہا ہے وہ آپ کو جیلانی دیا کریگا اور آپ مکان کی مرمت اور ادائی ٹکس سے بھی بچ جائینگی۔ وہ راضی ہوگئیں۔ مکان چوبیس سو روپے میں فروخت ہوا۔ جیلانی نے سترہ سو روپے نجمہ کو واپس کردیئے کہ کاروبار کرنے سعید کو دیدیں مگر سعید سے ہو ہی کیا سکتا تھا۔ جیلانی کے پاس سات سو روپے تھے اور چار سو اس نے قرض لئے گویا گیارہ سو روپے ہوئے۔ اب اس رقم سے جیلانی تھوک دکانات پارچہ سے پارچہ کے تھان سیکل پر لاد کرلے آتا کبھی کبھی تو سکندرآباد سے یعنی سات میل جاکر اور سات میل واپس ہوکر سیکل پر لے آتا ـــــ پولیس ایکشن سے گھبرا کر گاؤں کے کاریگر بھی حیدرآباد بھاگ آئے۔ ابراہیم نے تین ٹیلرس کا انتظام کیا جو گھر پر کام کرنے تیار تھے، ابتداء گاندھی ٹوپیوں سے ہوئی، گھر پر سلوانے کے بعد ابراہیم دکانات پر ڈال آتے، آخر طے ہوا کہ اپنی ایک دکان ہونی چاہیئے۔

نجمہ کا ایک اور احسان اور سعید نام نہاد سیٹھ

نجمہ کے حقیقی چچا جسکی روز بسکٹ کی دکان نیاپل کے قریب تھی یہ ریڈی میڈ کا مارکٹ تھا۔ نجمہ نے اپنے چچا کو کہہ کر مفت تھوڑی جگہ دوکان میں لیکر سعید کو سیٹھ بنا کر بیٹھا دیا۔

نجمہ کی جہیز کی چوبی الماری میں سعید صاحب سترہ سو کے ملبوسات لئے شطرنجی بچھا کر بیٹھ گئے۔ کاروبار ریڈی میڈ میں کم سرمایہ سے کاروبار انجام دینا بڑی مشکل چیز ہے۔ جس کے لئے سخت محنت و جانفشانی کرنی پڑتی ہے۔ بہرحال ایک سال گزر گیا اب نجمہ کے چچا کو پانچ ہزار روپے میں دوکان فروخت کر کے پاکستان جانے کی سوجھی۔ اب پھر نجمہ آگے بڑھی اور چچا کو صرف اکیس سو روپے (۲۱۰۰) پر راضی کیا۔ نجمہ نے کوئی زیور بیچ کر اور جیلانی نے انجمن باہمی سے یہ رقم نکالی اور اکیس سو کی رقم بعد تکمیل نجمہ کے چچا کو دی گئی۔ اب ملگی کرایہ نامہ کو اپنے نام منتقل کرنا تھا۔ سوال یہ تھا کہ کس کے نام منتقل کیا جائے۔ سعید کا نام قانون اراضی بطان کی فہرست میں باوجود رہائی کے اب تک شریک تھا۔ اس قانون کی رو سے نہ صرف سعید بلکہ بیوی بچے ماں باپ بھائی بہن میں سے کوئی کاروبار بیع و شرعی کر سکتا تھا۔ لہٰذا کرایہ نامہ خالہ صغرا کے نام کیا گیا۔ اب دوکان مکمل قبضہ میں آگئی۔ دوکان کا ارجنٹ بدل دیا گیا۔ بالکل نصف دوکان بسکٹ کے لئے اور نصف دوکان ریڈی میڈ کے لئے مخصوص کر دی گئی۔ بسکٹ کی دوکان کا ملازم وہاب بھی اب دوکان کے ساتھ گویا ہاتھ آیا جسکو سو روپے ماہانہ تنخواہ دینی پڑتی تھی۔ اب دوکانوں کے شو کی طرف جیلانی نے توجہ کی، ہراج سے شوکیس خرید کر لائے گئے اور کئی رات تک جیلانی بڑھائیوں کو لئے اسکو بنانے اور سجانے میں مصروف رہا اور سعید نے اپنی میٹھی نیند میں خلل ہونے نہ دیا جبکہ جیلانی دن میں دفتر کرنے کے بعد رات میں کام کر رہا تھا۔ یہ ۱۹۵۱ء کا واقعہ ہے جبکہ سعید ستمبر ۱۹۴۸ء میں سرمال گڑھ سے بھاگ کر حیدرآباد آئے تھے۔ جیل میں رہے پھر کاروبار کا آغاز ہوا۔ گویا مکمل تین سال گزر گئے۔ نجمہ اپنے ایثار کے مظاہرے دکھاتی رہی۔ جیلانی قربانی کا بکرا بنا جا رہا تھا۔ ایک سال اور گزر گیا اور ۱۹۵۲ء کے درمیان سے اب گزر ہو رہا تھا۔

(۵) خودی کی موت ہے اندیشۂ ہائے گوناگوں (علامہ اقبال)

جیلانی کو نوکر ہوئے آٹھ سال گزر گئے۔ کم عمری میں نوکر ہو کر وہ لگاتار خاندان کے لئے مصائب اٹھاتے اور قربانیاں دینے میں مصروف تھا۔ اچھے ملبوسات تفریح، اچھی غذا اور ہر قسم کی خوشیوں سے محروم تھا۔ اس کے شادی بیاہ کے کوئی اسباب نہ تھے۔ خاندان والوں حتیٰ کہ ماں اور سعید نے اسکو قربانی کا ایک بکرا اور دودھ دینے والی گائے سمجھ لیا تھا کہ جب تک دودھ ملا لیا، جب چاہا ذبح کر ڈالا اسکی صحت جوانی میں بگڑتی جا رہی تھی رات دن کی مصروفیت، کام ہی کام اور بے پناہ تھکان۔ ان کے دو بھائی گرتے پڑتے گریجویشن میں آگئے تھے۔ شدت افکار اور مصائب و تھکان نے اس کا ہر قدم بوجھل کر دیا تھا۔

ایک دن جب جیلانی دفتر سے دوکان پہنچا۔ تو سعید صاحب دوکان پر نہ تھے۔ وہاب صاحب نے بتلایا کہ جینا کے بھائی آیا کرتے ہیں اور ساتھ لے گئے۔ آپ کے آنے سے قبل آ جانا چاہئیے تھا مگر آج دیر ہو گئی۔ جس سے بے وفائی تسلیم کیا کر خاندان والوں اور خود سعید صاحب نے گلو خلاصی کا اٹل فیصلہ کر لیا تھا ظاہر ہوا کہ ریاکاری کے پردہ میں ملاقاتیں جاری تھیں اور نجمہ ایثار پر ایثار اور جیلانی، قربانی پر قربانی دینے میں لگاتار مصروف۔ اور یہ بوالہوس عاشق سب کو ریاکاری کے پردہ میں دھوکہ دینے میں مصروف۔ حیات زندگی سے ناآشنا، خودی سے محروم ہو کر علامہ اقبال کے اس شعر کی تعمیل تھے۔

حیات کیا ہے! خیال و نظر کی مجذوبی ۔ خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے گوناگوں

(٦) شرط انصاف ہے اے صاحب الطاف عمیم (علامہ اقبال)

جیلانی جس کے دل و دماغ کے ساغر ٹکڑے ٹکڑے بن کر بکھر چکے تھے مگر ہر ٹکڑے میں ایک دلیل ایک نظیر سوالیہ نشان بن کر طالب انصاف تھی۔ وہ دوکان سے راکٹ بنا مکان پہنچا، اب وہ ماں کی عدالت میں اس جینا کے دیرینہ مقدمہ میں فائینل بحث کر کے فوری ازروئے انصاف فیصلہ کا طالب تھا۔ جیلانی نے ماں سے مخاطب ہو کر بآواز بلند کہا۔

جیلانی! شرط انصاف ہے اے صاحب الطاف عمیم! آج میں آپ کو خدا کا خوف دلا کر اور ٹھوس دلایل و نظائر پیش کر کے ناقابل انکار بنیادوں پر ایک دیرینہ مقدمہ کی فوری یکسوئی کا طالب دستی ہوں جو خاندان کو تباہی کی لپیٹ میں لیا ہوا ہے اور آگے چل کر اور وبال جان بنتا جائے گا۔ محترم المقام والدہ صاحبہ! آپ اور آپ کی عزیز بیٹیاں جو آپ کی خاص مشیر بھی ہیں۔ آیا جینا کو بدچلن بدکردار قرار دیکر دلیرا سے بابا کے پاس جا کر گوری بیگم کے کئے گئے جادو کے اثرات کو زائل کر کے سعید کی شادی نجمہ سے کر کے اسے گھر نہیں لائے تھے؟ ماضی کی تاریخ اور حال کا آئینہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ شوہر کیلئے ایثار کی دیوی، ساس خسر کے لئے بہترین بیٹی، نندوں اور دیوروں کے لئے ایک بہترین بہن نہ صرف ثابت ہوئی بلکہ آج تک ثابت ہو رہی ہے۔ پھر کیوں نجمہ کے خلاف غیبتوں کا سلسلہ شروع کر کے آپ ہی لوگوں نے جینا کو کر لینے کا سعید کو اشارہ دیا" (انوری جو بعد شادی بھی گھر میں بھوت بن کر ہمیشہ ماں کے سر پر سوار اور روح بدن بن کر گھر میں رہتی تھی۔ وہ فوری ماں کے قریب آ کر بیٹھ گئی جب اس نے دیکھا کہ ماں جواب ملنے کے موقف میں نہیں تو کہا) انوری — "تم ہم پر الزام لگاتے ہو۔ ہم نے نجمہ جیسی نیک بھابی کی غیبت کی ہی نہیں" (انوری نے نجمہ کے حجرے کی طرف دیکھ کر زور سے کہا)۔

"جیلانی - خیر جو باتیں میں نے کانوں سے سنیں اسکو جھوٹ کہدیا، یہہ تحریری دستاویزی ثبوت جو سعید کی ملازمت کے دوران سعید نے لکھکر استفسارات کئے کہ والدہ ہمیشہ نجمہ کی شکایتیں کرتیں اور خط میں لکھتی ہیں اس بارے میں تم اپنا نقطۂ نظر اور حقیقت سے مجھے آگاہ کرو آیا سعید کے یہہ خطوط بھی غلط ہیں"۔
(ماں اور انوری کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگیں، انوری نے ماں کو سر کو ہلاکر آنکھوں سے اشارہ کیا پھر کہنے لگی)

انوری : بھائی نے ان خطوط میں ماں کا نام لکھا ہے، بہنوں کی شکایت کرنے کے بارے میں نہیں لکھا" (گویا انوری نے اپنے آپ کو بے گناہ ثابت کردیا)

ماں : (ماں نے نجمہ کے حجرے کی طرف دیکھا اور پکار کر کہا) "وہ ہمیشہ ہی جھوٹ بولتا اور لکھتا ہے تم چاہتے کیا ہو"۔

جیلانی : کیا جب سعید جیل میں تھے سعید اور آپ لوگوں نے جینا کو بے حس اور بے وفا ناقابلِ بھروسہ قرار دیکر گلو خلاصی کا تصفیہ بھی نہیں کیا تھا ؟

ماں : کس نے کہا کہ نہیں کیا تھا ۔ ہم اپنے فیصلہ پر قائم ہیں اور سعید بھی ۔ نجمہ جیسی پیاری بہو کے مقابل اس جینا چڑیل کو کون ترجیح دے سکتا اور اسکی صورت بھی دیکھنا گوارا کرسکتا ہے ؟
(ماں کے پکار کر کہنے کا انداز یہہ بتلا رہا تھا کہ وہ نجمہ کو اپنے الفاظ سنانا چاہتی ہے)

جیلانی : "کیا فرمایا سعید بھی اپنے فیصلہ پر اٹل ہیں ؟ آج میں جب دوکان پہنچا سعید غائب تھے ۔ وہاں آپ نے بتلایا کہ جینا کا بھائی آکر لے گیا ہے ۔ یہہ پہلا وقت نہیں آج آنے میں دیر ہوگئی ہے ۔ اب مقام غور یہہ ہے کہ نجمہ کے تین بچے ہیں اور اب وہ پھر حاملہ ہے ۔ جینا سے دو بچے سعید نے جنم دے ہی دیئے ہیں اب پھر تشریف لیجانے کا مقصد جینا کو مزید سرفراز فرمانا اور نوازنا ہے ۔ وہ روٹی سے تو پیٹ نہ بچوں کا بھر سکتے ہیں نہ جینا کا ۔ کیا اس کا شکم بھر اپنی اولاد ہی سے بھر کر اولاد کو نٹ پاتھ کے حوالے فرمانا چاہتے ہیں کہ اولاً یہہ کہے کہ ہم ایک سابق تحصیلدار کی اولاد اور ایک منصف مجسٹریٹ صاحب کے پوترے ہیں اور دیکھو ہماری دادی خدا سلامت رکھے نالاں ہے ۔ سعید نہ محنت کرنے تیار نہ گریجویٹ ہوکر ٹیوشن کرنے آمادہ نہ دکان پر تشریف فرمائی انہیں پسند ۔ کب تک نجمہ کا ایثار کام آئے گا اور کب تک جیلانی قربانی کا بکرا بنا رہے گا ۔ سعید حضرت اقبال کی سمجھائی حقیقت کو سمجھنے بھی تیار نہیں کہ

ایسی کوئی دنیا نہیں افلاک کے نیچے　　؎　　بے معرکہ ہاتھ آئے جہاں تخت جم و کے

ماں کے پاس اب کوئی جواب نہ تھا کہا "میں سمجھ گئی اس عقل کے اندھے کو آنے دو ۔

سعید معصوم بنے گھر آئے، بعد کھانے سے فارغ ہونے بچہ سے اپنی محبت جتلانے میں مصروف تھے۔ ماں کی ایک آواز سعید کو حجرے سے دالان لے آئی۔ اب بھی سعید معصومیت ریاکاری کا لبادہ پہنے ماں کے سامنے تھا۔ ماں نے سوالات کئے۔ پہلے انکار۔ بعد جرح اقبال۔ ماں نے کہا "میرا حکم ہے جینا کو طلاق دیدو" ماں نے کاغذ دیا۔ سعید نے مکارانہ انداز سے روتے ہوئے طلاق لکھی جیسا کہ وہ واقعی جینا سے محبت کرتا ہے۔ مگر آنے والا وقت سعید کی بوالہوسی اور ریاکاری کا پردہ چاک کرنے اور سعید کو عاشق نہیں بلکہ بوالہوس اور شہوت پرست ثابت کرنے تیزی سے بڑھ رہا تھا اور علامہ اقبال کی زبان بن کر پوچھ رہا تھا۔

یہ عاشق کون سی بستی کے یارب رہنے والے ہیں ؎ انوکھی وضع ہے سارے زمانے سے نرالے ہیں

(۸) پستی فطرت نے سکھائی ہے یہ حجت اُسے (علامہ اقبالؔ)

مسئلہ طلاق

طلاق کو اسلام نے مکروہ قرار دیتے ہوئے بوقت ضرورت شدید اس کی اجازت دیکر درحقیقت احسان کیا ہے، خود آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت سے نکاح فرمایا جب خلوت کی نوبت آئی پہلو پر ایک سفید دھبہ دیکھا، آپؐ فوری علحدہ ہوگئے حسن سلوک کے ساتھ مہر دیکر ذریعہ طلاق علحدہ کر دیا۔ طلاق کا مسئلہ شریعت میں اس قدر صاف اور واضح ہیکہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو مذاق میں بھی طلاق کہدے تو طلاق ہو جاتی ہے حتیٰ کہ عالم نشہ میں بھی طلاق دیں تو طلاق ہو ہی جاتی ہے۔ طلاق دیتے وقت بیوی کا واقف رہنا اور سامنے رہنا ضروری نہیں۔ شوہر نے غائبانہ طلاق دی بس طلاق ہوگئی اور اس سے ناواقف رکھکر اس نے بیوی سے ہم بستری کی تو شوہر زنا کا مرتکب ہوگا۔ اگر ہم بستر نہ بھی ہوا اور طلاق کے بارے میں بیوی کو واقف نہ کروایا تو وہ گناہ عظیم کا مرتکب ہوگا چونکہ وہ عورت اپنی مستقبل کی زندگی کے بارے میں سوچنے اور انتظام کرنے کے موقف میں نہ رہے گی۔ سعید اس قدر صاف مسئلہ شریعت میں من مانے فتویٰ دیتا تھا۔ کہتا تھا کہ چونکہ جینا کو طلاق کی اطلاع نہیں ہوئی لہذا طلاق نہیں ہوئی اس کے باوجود نہ اسکی کفالت کرتا تھا نہ مہر دیتا تھا نہ اسکے دو بچوں کو جو اس کے صلب سے پیدا ہوئے تھے پرورش کرتا تھا۔ جب سعید نے جینا کو طلاق دی تو کہا جاتا ہے کہ یہ کاغذ بچہ کے والد کے پاس روانہ کر دیا کہ جینا کے پاس روانہ کردیں۔ بچہ کے ولی صفت باپ نے کہا " ہم نے ہر حال میں صبر کیا ہے، ہم نے نکاح کرنے کہا تھا نہ طلاق دینے کے لئے کہا۔ جس نے نکاح کیا اور جس نے طلاق دی اس کا فرض ہو جاتا ہے کہ یہ کاغذ خود مطلقہ کو روانہ کریں ہمیں کیوں درمیان میں ڈالا جا رہا ہے۔ کاغذ واپس کر دیا۔ اس قدر معقول بات سنکر بھی خود سعید نے کاغذ جینا کو کم از کم ذریعہ ٹپہ بھی روانہ نہیں کیا۔ چند ماہ رہ کر حیلہ سازتے سے

مشرقی پاکستان جو آج بنگلہ دیش کہلاتا ہے ۱۹۵۱ء کے اختتام پر حیدرآباد میں تین سال رہ کر تباہی کے اسباب مہیا کرکے اور بخمہ کو چھوڑ کر چلا گیا وہاں سے کس طرح مغربی پاکستان کراچی پہنچ گیا۔

بخمہ پاکستان روانہ

۱۹۵۲ء کے اختتام پر سعید نے ایک معمولی نوکری کراچی میں مل جانے کے بعد بخمہ کو پاکستان بلوالیا۔ گویا سعید نے مکمل چار سال جیلانی کو پریشان کیا اور قربانی کا بکرا بنایا۔ صرف جینا سے بچنے یہ عاشق پاکستان پہنچ گئے کہ کس طرح جینا سے اپنی جان بچا سکیں۔ بخمہ نے کراچی پہنچ کر بھی بیحد تکالیف اٹھائیں وہ کپڑوں کی سلوائی کرکے اجرت سے شوہر کی مدد کرتی تھی۔ موسم گرما میں پست ٹین کی چھت کے تکلیف دہ مکان میں بقول بخمہ دن میں کئی بار کپڑوں کو پانی میں تر کرکے پلنگ کے نیچے یہ ڈاکٹر کی بیٹی جان بچانے لیٹ جاتی۔

(۹) کہہ رہی ہے زندگی تری کہ تو مسلم نہیں

(علامہ اقبال)

سعید اور جینا

سعید نے پاکستان جاکر بھی جینا کو طلاق کی اطلاع نہیں دی۔ کبھی کہتا تھا جینا کو طلاق ہوگئی رقم روانہ کرنے کی ضرورت نہیں، کبھی کہتا تھا کہ جینا کو طلاق کی اطلاع ہی نہیں ہے، لہٰذا طلاق ہوئی ہی نہیں۔ خلاف شریعت (نعوذ باللہ) بقول سعید کے طلاق نہ ہونے کو مان لیا جائے تو اس بدبخت پر جینا کی کفالت کی ذمہ داری عائد ہوتی تھی اگر طلاق ہوجانے کو مان لیا جائے تو رقم مہر اور ایام عدت کا نفقہ سعید پر واجب الادا ہوتا تھا اور ہر دو صورتوں میں سعید پر اپنے ان دو نابالغ بچوں کی کفالت کی ذمہ داری از روئے شریعت محمدیؐ عائد ہوتی تھی جو جینا کے بطن سے اس نے جنم دیئے تھے ہر حال یہ ہر صورت میں ظالم اور اسلام سے خارج اپنے آپ کو ثابت کر رہا تھا اور دھوکہ و فریب کی زندگی بسر کر رہا تھا جبکہ فرمایا نبی حق آشنا صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمان میں فریب نہیں۔ جس نے فریب کیا وہ ہم میں سے نہیں (ابن نجار)

سعید مسلسل مبتلا فریب تھا۔ اس جینا کے ساتھ جسکو وہ معشوق بنا کر اپنے کو عاشق بتلا کر عشق کے نعرے لگاتا تھا وہ اسکے پاکستان جانے کے (۳۴) سال تک جینا زندہ رہی وہ تین بار حیدرآباد آیا مگر کبھی اس ظالم عاشق نے جینا کو یا اپنے بیٹوں کو ایک نیا پیسہ بھی نہ دیا۔ جینا نے مصائب جھیل کر اپنے ایک بیٹے کو گریجویٹ بنایا۔ تیسری بار جب سعید حیدرآباد آیا تو اسکے فرزند نے اس سے دریافت کیا کہ آیا آپکا نام خانہ ولدیت میں رہنا ہی ہمارے لئے کافی ہے یا ادائی حقوق از لحاظ شریعت بھی کوئی چیز ہے۔ بہر حال جینا دنیا سے چل بسی اور یہ عاشق جو غزل پر غزل لکھتا تھا کہ ـــــ "کیا خاک جیوں جبکہ جینا نہ ملے" ـــــ اسکے مرنے کے بعد بھی مکر و فریب کی زندگی گزار کر اپنے کو مسلمان سمجھ کر جی رہا تھا، جبکہ فرمان رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ مسلمان میں فریب

نہیں جس نے فریب کیا وہ ہم میں سے نہیں۔ علامہ اقبالؒ نے ایسے مسلمان اپنے آپ کو کہنے والے کے بارے میں خوب فرمایا ہے کہ

خوب ہے تجھ کو شعار صاحب یثرب کا پاس ⁂ کہہ رہی ہے زندگی تیری کہ تو مسلم نہیں
سینے میں اگر نہ ہو دل گرم ⁂ رہ جاتی ہے زندگی میں خامی

سعید جو اپنے آپ کو جینا کا عاشق ظاہر کرتا رہا اور اسکو معشوق کا روپ دیکر دنیا کو اور اپنے آپ کو عملاً فریب رکھا تھا۔ مرنے کے بعد اسکو کیا یاد کرتا جبکہ زندگی ہی میں فریب دیتا رہا اور صرف شہوت اور ہوس پرستی کے لئے اسکو استعمال کر کے دو بچے جنم دیکر فرائض سے بے حیائی کا جامہ پہن کر روگردانی کی۔ علامہ اقبال نے محبوب اور عشق کے بارے میں فرماتا ہے۔

ہے ابد کے نسخۂ دیرینہ کی تمہید عشق ⁂ عقل انسانی ہے فانی، زندہ جاوید عشق
عشق کے خورشید سے شام اجل شرمندہ ہے ⁂ عشق سوز زندگی ہے تا ابد پائندہ ہے
رخصت محبوب کا مقصد فنا ہوتا اگر ⁂ جوشِ الفت بھی دلِ عاشق سے کر جاتا سفر
عشق کچھ محبوب کے مرنے سے مرجاتا نہیں ⁂ روح میں غم بن کے رہتا ہے مگر جاتا نہیں
ہے بقائے عشق سے پیدا بقا محبوب کی
زندگانی ہے عدم ناآشنا محبوب کی

مگر یہہ مردہ قلب بوالہوس عشق وعاشقی کے ان بلند مقامات سے آگاہ ہی کہاں تھا، بقول علامہ اقبال عقاب کے نشیمن میں بیٹھکر زاغ دعوئی کرے کہ وہ عقاب ہے تو زاغ زاغ ہی رہے گا، عقاب تو بن نہیں سکتا۔ سعید کے لغوی معنی ہیں (۱) نیک بھلا (۲) مبارک (۳) خوش نصیب بھاگوان۔ سعید زوال پذیر قوم کا خودی سے محروم وہ فرد تھا جو نام کے معنوں کے اعتبار سے بالکل برعکس تھا۔ وہ زندگی بھر کسی کے لئے مبارک ثابت ہوا نہ ہی بھاگوان یہہ بدنصیب عمر بھر ریاکاری دفریب کو مقصد حیات بنائے جینے میں مصروف رہا۔ اسکے زوال کا راز علامہ اقبال خودی وغیرت سے محرومی بتلاتے ہیں۔

نہ ہے ستارہ کی گردش نہ بازی افلاک ⁂ خودی کی موت ہے ترا زوال نعمت وجاہ
غیرت ہے طریقت حقیقی ⁂ غیرت سے ہے فقر کی غلامی

(علامہ اقبالؒ)

یہ ذکر نیم شبی یہ مراقبے یہ سرور

مذھب کا ڈھونگ

سعید پاکستان میں مہاجر تو تھا ہی کون اس کے ماضی پر نظر ڈال سکتا تھا۔ اب سعید نے دنیا کمانے اپنے مکر کے آخری حربہ کو آزمایا

داڑھی چھوڑ دی تسبیح ہاتھ میں لی ۔ نمازوں میں مصروف نظر آنے لگا۔ آج کا زوال پذیر مسلمان قوم کا فرد جب محنت سے دنیا کمانے کے قابل نہیں رہتا تو دین کو دنیا کمانے کا ذریعہ بنالیتا ہے ۔ یہی ہوا کسی نے سعید کو مقدس سمجھکر حج البدل کے لئے روانہ کر دیا۔ حج البدل تو اپنا فرض حج ادا کرنے کے بعد کیا جاتا ہے ۔ سعید کا کونسا کام سیدھا تھا۔ اس مذہب کے ڈھونگ نے اس کے دنیوی تمام مسائل و مشکلات حل کر دیں' لڑکیاں مقدس ہستی کی بیاہی جانے لگیں۔ بیٹوں کے پڑھنے کا ذریعہ بھی ہوگیا۔ پھر بیٹے نے باپ کو اور ایک مرتبہ حج کے لئے روانہ کیا' مذہب کا مذاق تھا کہ سعید اڑا رہا تھا۔ ڈیڑھ ہزار مالک روز بسکٹ کی ضمانت پر ہوا قرض باقی' ساتسو دوران ملازمت میں ایک وکیل سے لیا ہوا قرض باقی' جینا کا مہر باقی' زمانہ عدت کا نفقہ باقی' جینا کے بطن سے ہوئے دو لڑکوں کی کفالت کا بار باقی ـــ فرمایا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرضدار مسلمان کی جان قرض ادا ہونے تک معلق رہتی ہے (یعنی اس کی مغفرت نہیں ہوتی) (حاکم) سعید اپنے قلب سیاہ کو جھوٹی تسلی دیتا ہوا حاجی کہلاکر جی رہا تھا۔ یہ ریاکار اگر کسی کو بائیں ہاتھ سے پانی پیتے دیکھتا تو رعب جمانے کہتا کہ بائیں ہاتھ سے شیطان پانی پیتا ہے' اور یہ وہ شیطان تھا جو سب کے حقوق سلب کر کے ریاکاری کی زندگی میں خوش تھا۔ جب حیدرآباد آتا تو محسن بھائی جیلانی سے نہ ملتا بلکہ ان بھائیوں کے پاس قیام کر کے ڈیڑھ ہزار اور ایک کو ایک ہزار میں زیر بار کر جاتا جس کی تعلیم پر اس نے ایک حبہ بھی خرچ نہ کیا تھا اور تعلیم میں ہمیشہ حائل ہوتا رہا تھا۔ بہرحال مذہب کا ڈھونگ رچا کر یہ خوشحالی کی منزل پر پہنچ گیا اور جہاں تک حقیقی مذہب کا سوال تھا علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

یہ ذکر نیم شبی یہ مراقبے یہ سرور ⁂ تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں

یہ مسئلہ مشکل نہیں اے مرد خردمند

(علامہ اقبال)

اب جیلانی غیبتوں کی زد میں

یہ گھر جسمیں کبھی منصف مجسٹریٹ صاحب کی غیبتیں ان کی اہلیہ محترمہ اولاد کے سامنے تک کیا کرتی تھیں ۔ یہ گھر جسمیں صغرا جو بیوہ ہو کر بہن زینب کے گھر میں آئی تھی تو اس کی غیبتیں خود بڑی بہن زینب کیا کرتی تھیں، پھر ایک وقت آیا کہ انوری اور سعید میاں جو بادشاہ محی الدین سے آنکھیں ملا سکتے تھے نہ محبوب علی سے اب خالہ صغرا پر چوری کا تک الزام لگانے سے نہ شرماتے تھے نہ گھبراتے تھے کہ اس نے سعید میاں کی شیروانی کے جیب میں سے روپیہ نکال لئے ہیں۔ صغرا جس نے ہمیشہ اپنی بہن کے بچوں کیلئے ایثار کیا تھا اور مالی اعتبار سے ساتھ دیا تھا اب اسکی بڑی بہن زینب صغرا کے ساتھ ظالمانہ انداز سے پیش آتی

غیبتوں کے علاوہ اب تو اسکو برملا بُرا کہا کرتی تھی۔ پھر ایک وقت آیا کہ سعید کی غیبتوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ پھر جینا اور گوری بیگم پر غیبتوں کے تیر چلائے جاتے رہے اور ان کو بدکردار اور بدچلن قرار دیا جا کر نجمہ کو سعید کی دلہن بنا گھر لائے۔ پھر نجمہ پر غیبتوں کے بم برسائے جانے لگے۔ پھر جینا سے شادی کر لینے کا اشارہ دیا گیا۔ پھر سعید کی جینا کی شادی کے بعد جینا کے خلاف بن کر نجمہ کی تائید کی گئی تھی۔ اب نجمہ کے پاکستان جانے کے بعد جیلانی جس نے آنکھیں کھولتے ہی خاندان کے لئے ایثار اور قربانی اور خدمت کر کے اپنے مستقبل کو برباد کر ڈالا تھا اسکی غیبتیں شروع ہوئیں کہ اس نے جینا کی زندگی برباد کر دی۔ جب تک نجمہ پاکستان نہ گئی تھی کہا جا رہا تھا کہ اچھا کام ہوا' نجمہ کو انصاف اللہ نے دلایا۔ اب جینا کی زندگی اور اس کے بچوں کی تباہی اور پرورش سعید کے نہ کرنے کا بانی جیلانی تھا۔ آخر یہ آوازیں اس کے کانوں تک پہنچیں۔ یہ سنکر جیلانی متاثر رہنے لگا۔ ایک دن جیلانی کی ماں خزانہ عامرہ وظیفہ بیوہ گری لینے گئی جہاں گوری بیگم بھی وظیفہ بیوہ گری لینے معہ جینا کے بچوں کے آئی تھی۔

خزانہ سے آکر سعید کی والدہ نے رونا شروع کیا کہ اب سعید کے بچوں کو کون سنبھالے گا۔ ہر ایک اپنے بیوی بچوں میں رہے گا وہ رکشا راں بن جائینگے۔ جیلانی جو وہاں موجود تھا کہا جینا کو طلاق دینے کے باوجود سعید پر بچوں کی پرورش کی ذمہ داری اسی طرح ہے جس طرح طلاق نہ دینے کی صورت میں تھی۔ البتہ سعید کی بوالہوسی کے تحت بچے جنم دینے کا راستہ ضرور بند ہو گیا جو موجودہ بچوں کی پرورش ہی سے گریز کر رہا تھا اور کر رہا ہے۔ آپ سب کی پالیسیوں کو نہ قرار ہے نہ ٹھکانہ۔ کبھی جینا ناقابلِ نفرت اور بدکردار اور بدچلن کبھی نجمہ بدسلیقہ اور بدتمیز اور اس پر جینا کا سوتن بن کر آنا جائز پھر جینا گلو خلاصی کے لایق اور نجمہ لایق احترام۔ اب آپ سعید کے بچوں کے مستقبل پر آنسو بہا رہی ہے اور جیلانی کے خلاف یہ الزام عائد کیا جا رہا ہے کہ جینا اور اس کے مستقبل کی تباہی کا وہ باعث بنا ہے جیلانی کی ساری عمر قربانی کا بکرا بنے تباہ ہو ہی گئی مذہب اجازت دیتا ہے کوئی گناہ امر مانع نہیں ہیں اگر آپ کے آنسو رک سکتے ہیں اور سعید کے بچوں کا مستقبل تباہی سے بچ سکتا ہے تو جیلانی جینا سے نکاح کر کے اپنی مزید تباہی اور قربانی کے لئے تیار ہے۔ جینا سے جیلانی کو در حقیقت نفرت تھی وہ عمر میں اس سے کافی بڑی بے ڈھب بدوضع اور شکل صورت کم بیڈ بنی ہوئی تھی۔ اور کردار کے تعلق سے لایق کراہیت و مکروہ۔ جس کے تعلق سے جیلانی کو یقین کی حد تک معلومات فراہم ہو چکے تھے۔ جیلانی نے جوں ہی جینا کے نکاح کے تعلق سے دورانِ بحث جذبات سے مرعوب ہو کہدیا گھر کا ماحول بدل گیا۔ اب کہا جانے لگا کہ خود کر لینے طلاق دلائی گئی گویا یہ جیلانی کے دماغ پر ایک اور ضرب کاری تھی۔ خواہ مخواہ عاملوں کے گھر کے چکر شروع ہوئے۔ جیلانی نے ماں سے پوچھا آخر

آپ سب میں ہلچل کیوں ہے۔ ماں نے کہا ۔ تم جینا سے نکاح نہیں کر سکتے ۔ جیلانی نے کہا آپ کا حکم ہے تو قسم بخدا میں کرنا تو درکنار ایسا سوچوں گا بھی نہیں ۔ مگر آپ لوگ غیبتیں اور پروپگنڈہ بند کردیں۔ کہا کہ ہم غیبتیں کرتے ہی کب ہیں ؟ تم نے غلط کہا کہ ہم غیبتیں اور پروپگنڈہ کر رہے ہیں جیلانی نے ایسا محسوس کیا کہ اس نے اپنے سے جینا کو منسوب کرکے جو دحشت پیدا کرلی تھی اس سے اسے چھٹکارا ملا۔ اب جیلانی نے جینا کے بچوں کی مدد کرنے کا خیال تک ترک کردیا کہ اس پر جینا سے ربط کا الزام عائد نہ کردیا جائے ۔ یہ امر واضح ہے کہ یہ ذمہ داری سعید کی تھی۔ سعید اگر اپنے ذمہ داریوں سے غافل تھا تو دادی کو ہمدردی تھی تو دادی کا فرض تھا کہ اپنے وظیفہ اور منصب سے جو ذمہ داریوں کی تکمیل کے لئے جاری ہوئی تھی نصف دیکر مدد کرتیں یا اور دیگر افراد خاندان ۔ جس قوم کی عورتیں صرف بلا مقصد برائیوں اور غیبتوں اور الزام تراشی کے گناہوں میں مبتلا رہتی ہیں ان سے نیکیاں تو سرزد ہوتی ہی نہیں البتہ گناہوں کا توشہ لئے مرتیں اور قبر میں یہی توشہ آخرت کے لئے لیجاتی ہیں۔ اولاد ہی نہیں قوم ایسی ہی عورتوں کی وجہ سے برباد ہوتی جاتی ہے۔ زوال پذیر قوم کی عورتیں متاع کردار سے محروم ہوکر اس قدر پیچ کردار کو اپنا لیتی ہیں کہ مذہب ان کے لئے بے معنی ہوکر رہ جاتا ہے۔ خودی سے یک لخت محروم علامہ اقبال یوں وضاحت فرماتے ہیں۔

تاثیر غلامی سے خودی جسکی ہوئی نرم　؎　اچھی نہیں اس قوم کے حق میں عجمی لے

۱۴ واں باب

بدلے نیکی کے یہ برائی ہے　(علامہ اقبال)

سنہ ۱۹۴۴ء میں منصف مجسٹریٹ صاحب کی زندگی میں ہی جیلانی باپ کی ضعیفی اور بڑے بھائی کی خودغرضی دیکھکر خاندان کی خاطر اعلیٰ تعلیم کا خیال ترک کرکے ملازمت اختیار کرلی تھی باپ کی زندگی ہی میں اکبرالدین کی پریشان کن تیمارداری اور اصغری کی شادی کے فرائض انجام دیئے تھے سنہ ۱۹۴۷ء میں بھی منصف مجسٹریٹ صاحب کے انتقال کے بعد تو طوفانی مصائب کا مردانہ وار مقابلہ کرکے ہر مصیبت کے پہاڑ کو بقول اس کے بڑے بھائی سعید کے اپنی مستقل مزاجی کی ٹھوکروں سے سرمہ بنا کر اڑا دیا تھا ۔ اب سنہ ۱۹۵۳ء میں جیلانی سے چھوٹے بھائی اکبرالدین تو بی۔کام میں فیل اور اس سے چھوٹے بھائی وقارالدین نے بی۔ایس۔سی میں کامیابی حاصل کی تھی ۔ وقارالدین نے یم بی بی یس یعنی ڈاکٹری کی تعلیم کے لئے عثمانیہ میڈیکل کالج میں درخواست دی تھی۔

اس زمانہ میں انٹرنس کا امتحان نہ ہوتا تھا بلکہ نمبرات حاصلہ کے تحت ڈاکٹری میں داخلہ دیا جاتا تھا۔ وقارالدین کے نمبرات ۶۶ / ۵۱ تھے ایک لڑکی جسکے نمبرات ۶۵ / ۵۱ تھے یعنی وقارالدین سے ایک پائنٹ کم تھے، داخلہ دیا جاچکا تھا۔ وقارالدین نے از خود عثمانیہ میڈیکل کالج اور عثمانیہ یونیورسٹی میں اس ناانصافی کے خلاف درخواستیں دی تھیں اور عدم وصولی جواب پر مغموم تھا۔ جیلانی کی خواہش تھی کہ اس کا بھائی ڈاکٹر ہو۔ اس نے وکلاء سے مشورے کئے اور ہائیکورٹ میں عثمانیہ یونیورسٹی اور عثمانیہ میڈیکل کالج کو فریق بناکر درخواست رٹ پیش کرکے ہائیکورٹ سے ایک سیٹ وقارالدین کے لئے محفوظ رکھی۔ احکام میڈیکل کالج کو روانہ کروائے۔ ماں کی خوشی کی انتہا نہ تھی وہ جیلانی کو دعائیں دے کر کہہ رہی تھی کہ باپ نے لڑکر منصفی لی۔ بھائی لڑکر بھائی کو ڈاکٹر بناکر چھوڑے گا۔ درخواست رٹ بعد بحث اس نقطہ پر خارج ہوئی کہ وقارالدین نے جو درخواستیں میڈیکل کالج اور یونیورسٹی کو دی تھیں اس کے جواب کا انتظار کرنا چاہئیے تھا۔ گویا جواب خلاف میں آئے تو پھر درخواست رٹ پیش کیجاسکتی تھی۔ اس اثناء میں وقارالدین کو اسے جی آفس میں یوڈی کلرک کا پوسٹ مل گیا۔ اب جیلانی کی ماں نے دھوم مچادی کہ جیلانی اپنے بھائی کا مستقبل برباد کرنے تُل گیا تھا۔ یہ عورت اس بیٹے کے تعلق سے یہ کہنے شرمانہ رہی تھی جس نے ناممکن حالات میں اس کا آپریشن کرواکے اس کی جان بچائی تھی اور اپنی زندگی کو داؤ پر لگاکر خاندان کو اٹھایا تھا۔ یہی ماں اب وقارالدین کے نوکر ہوتے ہی اس تازہ دم بیٹے سے قریب اور تھکے ہارے بیٹے جیلانی سے دور ہی نہیں ہوتی جارہی تھی بلکہ غیبتوں کی لپیٹ میں اپنی بیٹی انوری و دیگر بیٹیوں کی مدد سے لئے جارہی تھی اور یہی ان کا مشغلہ اور شعار زندگی تھا۔ یہ اس بیٹے اور بھائی کے خلاف تھا جس نے ۱۹۴۴ء تا ۱۹۵۳ء آرام چین وسکون اور شادی سے محروم رہ کر سب کی خدمت کی تھی۔

بدلے نیکی کے یہ بُرائی ہے ۔۔۔ مرے اللہ! تری دہائی ہے (اقبال)

جب انسان محسن کا احسان نہیں مانتا تو اللہ پاک ایسے انسانوں پر شیاطین کو مسلط کر دیتے ہیں جیسا کہ جلد دوم میں آئیگا کہ اس ماں نے اپنی کم عمر اولاد کے ایمان اور اپنے خود کے ایمان کو داؤ پر لگاکر دنیوی خوشحالی کے لئے نرسوں کی پوجا میں مصروف ہوگئی بقول حضرت اقبال ع دنیا تو ملی طائر دین کر گیا پرواز

(۲) یہ پیراں کلیسا ہوں کہ شیخان حرم ہوں (علامہ اقبال)

درگاہیں خانقاہیں علماء اور مقدمہ بازیاں

شائد ہی کوئی درگاہ و خانقاہ ایسی ہو جس کا مقدمہ کسی نہ کسی عدالت میں زیر دوراں نہ ہو۔ شملے عمامے جبّے ڈاڑھیاں رکھکر مقدس صورتیں بنائے صوفی علماً اور سجادے عدالتوں میں فریق بنے ہر ایک اپنے کو ہی وارث بتلاکے جھوٹی قسمیں اللہ کی کھاتے جھوٹے حلفنامے داخل کرتے ہیں اہل دنیا سے شرما

ہیں نہ خدا سے ڈرتے اور گھبراتے ہیں۔ حکیم الامت فرماتے ہیں

تم باذن اللہ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوئے ؛ خانقاہوں میں مجاور رہ گئے یا گورکن
پیران کلیسا ہوں کہ شیخان حرم ہوں ؛ نے جدت گفتار ہے نے جدت کردار

(۳) ملا کی نظر نور فراست سے ہے خالی (علامہ اقبال)

منصف مجسٹریٹ صاحب کا آخری عمر کا گناہ بے لذت عالم خاندان کے سپوت منصف مجسٹریٹ صاحب نے جوانی میں طوائف سے رسم وراہ رکھکر حافظ کی پٹوائی اور اس سے طلاق دلاکر غیر شرعی نکاح اپنی بہن کا حفیظ الدین سے کر کے تمام عمر بہن کو مبتلا زنا رکھکر ناجائز اولاد جہنم دلائی تھی پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تصاویر گھر میں رکھکر عالم پیری میں ایک گناہ عظیم کیا تھا اب بالکل عمر کے آخری حصہ میں ایک درگاہ کو اپنے ننیالی جد کی درگاہ بتلا کر ان بزرگ کے خیالی کشف وکرامات بیان کرتے تھے۔ اس درگاہ کے مقدمات ان کے خالہ زاد بھائی ارشد علی عمر بھر لڑتے رہے مگر کامیاب نہ ہوسکے۔ ارشد علی کے لڑکے احمد علی آوارہ نکلے لہٰذا منصف مجسٹریٹ صاحب عمر بھر مقدمات کی چکر میں رہے حاصل کچھ نہ ہوا نہ ہی درگاہ کی زمین کی خریدی کا کاغذ موجود تھا نہ شاہی عطیہ ہونے کا کوئی دستاویز رکھتے تھے۔ زمین کی ایک پٹی میں جہاں منصف مجسٹریٹ صاحب کے ننیالی قبور تھے تو نواب جہانگیر علی خاں جو اقربا نظام سابع حکمران وقت تھے ان کے خاندان کے مقبرے اور قبور بھی تھے۔ ایک زمان جہانگیر علی خان نے نظام سابع سے معروضہ پیش کر کے اس زمین کو اپنی ملکیت ظاہر کر کے حاصل کر لیا تھا۔ فرمان کا مقام وقدر ومنزلت نہ صرف اس وقت تھی بلکہ بعد آزادی ہند سپریم کورٹ نے نظام کے فرمان کو قانون سے بالاتر قرار دیا تھا۔ جب منصف مجسٹریٹ صاحب کے پاس اس زمین اور درگاہ کو اپنی ملکیت قرار دینے قانونی گنجائش نہ رہی تو محکمہ اوقاف میں اس کو درج رجسٹر اوقاف کرنے اور اپنے آپ کو متولی بنانے کی درخواست معہ غیر متعلقہ زمین اور جہانگیر علی خان کے مقبرے کو بھی شامل کر کے دیدی۔ لیکن نمائشی ملکیات روّسے کی پانچ فٹ کی چار دیواریں اٹھا کر اس پر ٹین کا چھت ڈال کر چھے روپئے آمدنی بھی بتلادی۔ آزادی کے بعد ہندو اوقاف سے مسلم اوقاف کو علٰحدہ کرنے کے مطالبات ہوتے رہے آخر ۱۹۵۳ء میں ایک مراسلہ جیلانی کے نام رجوع ہونے جاری ہوا۔ جیلانی محکمہ اوقاف پہنچا وہاں جیلانی کے بہنوائی اشفاق کے ایک عزیز محی الدین کیف تھے جیلانی نے ان سے سب صحیح واقعات کہہ ڈالے۔ انہوں نے کہا پوری کارروائی میرے ہاتھوں میں ہے۔ باپ کی دی ہوئی درخواست کو غلط کہنا اچھا نہیں۔ کم از کم خاندان کے افراد کو دفن ہونے جگہ تو مل جائے گی اور دوسری زمین پر نہ سہی قبرستان پر تو قانونی قبضہ ہو جائیگا۔ ان کی حسب ہدایت دو گواہ پیش کئے گئے ایک منصف مجسٹریٹ صاحب کے بڑے داماد سید زادے دوسرے سعید کے ایک دوست جب جیلانی کا بیان ہوا تو مددگار اوقاف نے دوران بیان درگاہ کی آمدنی پوچھی۔ جیلانی نے کہا اس درگاہ پر نہ کوئی نذر دینا نہ کے لئے آتا ہے نہ کوئی آمدنی ہے۔ مددگار نے کہا جب کوئی آمدنی

نہ ہو تو درگاہ درج رجسٹر اوقاف نہ ہو سکیگی آپ کے والد نے چھ روپے ماہانہ آمدنی ملکیات کی بتلائی ہے ۔ جیلانی نے کہا وہ روپے کی دیواریں تو برسات میں کبھی کے گر گئیں ۔ مدد گار مسلمان تھا ہنسا کہا ابھی آپ نوجوان ہیں سمجھ نہیں سکتے میں وہی چھ روپے آمدنی آپ کے بیان میں لکھ لیتا ہوں جیلانی نے کہا آپ کی مرضی بہر حال اس چھ روپے کی فرضی آمدنی کی بناء پر درگاہ مع غیر متعلقہ زمین جس کا نقشہ منصف مجسٹریٹ صاحب نے پیش کیا تھا جو کسی وقت بھی ان کے قبضہ میں سالہا سال سے نہ تھی درج رجسٹر اوقاف ہو گئی ۔ دشعاق کے عزیز کیف نے مثل میں بغیر درگاہ اور اس زمین پر اشتہار لگائے اور بغیر ڈھنڈورا پٹوائے لکھ دیا کہ دونوں امور انجام دے دئے گئے ۔ گزٹ میں اشتہار شائع ہوا ۔ اسے پڑھتا کون ہے ۔ بہر حال اس قبرستان کی مٹی میں سید زادے اور اشفاق بعد مرنے کے دفن ہوئے اور ازار خاندان کے لئے بعد مرنے دفن ہونے زمین تو ہو گئی اشفاق کے دفن ہونے کے بعد وقار الدین جو جیلانی کے زیر پرورش رہ کر اس کا کھا کھا کر جوان ہوا تھا بڑے بھائی سعید کی مخالفت کے باوجود جیلانی نے اسکی تعلیم جاری رکھکر بی اے بی بنایا اور ڈاکٹر بنانے رٹے کی تھی چودہ سال بعد جیلانی سے یہ بدبخت نمک حرام کہہ رہا اور خط لکھ رہا تھا کہ اس درگاہ کے متولی بن کر جیلانی نے درگاہ کو برباد کر دیا اور دستار فضیلت سمجھ کر تولیت کو سر پر رکھ لیا حالانکہ منتخب وقف میں چھ روپے کی آمدنی وہ بھی فرضی نمایاں تھی اور وہ جانتا تھا کہ جیلانی اپنے جیب سے قبرستان کے نگران کار ہیبود علی کو تنخواہ دیتا ہے ۔ باپ نے غیر متعلقہ جائیدادوں کو اپنی ملک بتلا کر جو کبھی قبضہ ہی میں نہ تھی اور دوسروں کی ملک تھیں مرتے وقت اپنے سر پر گناہ کا بار لیا تھا ۔ باپ کی غلطی کو یہ بدبخت وسیاہ قلب سمجھتا ہوا اس سے بھائی سے تکرار بے ادبی کر رہا تھا جس نے باپ کے بعد باپ کے فرائض انجام دیکر اسکو پروان چڑھایا تھا بقول حضرت اقبال ۔

جسکو ہم نے آشنا لطف تکلم سے کیا ؛ اس حریف بے زباں کی گرم گفتاری بھی دیکھ

وقار الدین کی یہ گستاخیاں ایک طرف منصف مجسٹریٹ کے جرائم تا دم مرگ گناہ ہائے عظیم کا نتیجہ تھے تو دوسری جانب ماں کی بے ہنگام غیبتوں اور سفاکی کا نتیجہ تھے جن پر بغرض عبرت ذرا سی روشنی ڈالی جاتی ہے

(۳) خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف (علامہ اقبال)

ماؤں کو انتباہ | اولاد کو متاع کردار سے نوازنا اعلیٰ ظرف ماؤں کی جہاں غمازی کرتا ہے وہیں اولاد کو اخوت کی سطح سے گرا کر اولاد کو آپس میں ٹکرانا غیبتیں کر کے ایک اولاد کو دوسری اولاد کی نظر میں سے گرانا اور آپس میں نفرت پیدا کرنا ایک کم ظرف جاہل فتنہ پرور ماں کی نشاندہی کرتا ہے ۔ بقول حضرت اقبال ماں کی تحریر و تقریر تو ایسی ہونی چاہیئے ۔

وصل کے اسباب پیدا ہوں تری تحریر سے ؛ دیکھ کوئی دل نہ دکھ جائے تری تقریر سے

جب ماں خود ہی اولاد کو ایک دوسرے سے لڑانے، نظروں سے گرانے، نفرت کے کامیاب ذریعہ غیبت پیدا کرنے مائل اور بچھو کی طرح ڈنک مارنا، ماں کی فطرت ثانی بن جائے غیبت اور نفرت کا زہر اولاد کو پلاتی جائے اور پھر کہے کہ میں اولاد کی زندگی اور اولاد میں اتفاق چاہتی ہوں تو آیا یہ ممکن ہے۔ بقول علامہ اقبال

جس علم کی تاثیر سے زن ہوتی ہے نازن　　کہتے ہیں اسی علم کو ارباب نظر موت

جب ماں کی یہ حالت ہو کر بڑی بیٹی محمدی شوہر کے مرنے کے بعد شوہر کی فاتحہ سیوم میں قرآن اٹک اٹک کر پڑھ رہی ہے۔ ماں اسے دیکھتی اور پاس بیٹھی ہوئی دوسری اولاد کو سر کے اشارے سے اپنا نیچے کا ہونٹ لمبا کر کے محمدی کو بتلا کر آہستہ سے کہتی ہے کہ دیکھو قرآن بھی صاف اور صحیح نہیں پڑھ سکتی۔ مقام غور ہے کہ یہ غلطی محمدی کی نہیں خود ماں کی ہے کہ اس نے بچپن سے تا شادی اس کا قرآن صاف نہیں کرایا۔ سال بہ سال جب مائیں بچے جنم دینے ہی کو مقصد حیات سمجھ لیں۔ دودھ تک اولاد کو نہ پلائیں۔ دودھ پلانے انائیں ہوں یا دودھ کے ڈبے۔ پھر تربیت کا یہ حال ہو کر شوہر سے اولاد جنم دیکر اسی اولاد کے سامنے شوہر کی زندگی میں روز بعد از زندگی غیبتیں کرتی رہیں کبھی بڑے فرزند کی غیبتیں آنسو بہا کر فرزند دوم جیلانی کے سامنے کر کے فرزند اول کو اسکی نظروں سے گرائے، کبھی جیلانی جس نے خاندان پر زندگی نچھاور کر دی اسکی غیبتیں وقار الدین کے سامنے کر کے اسکو برہم کریں ان اوصاف کی ماں خاندان اور قوم کو صاحب اوصاف فرزند کہاں سے فراہم کریگی۔ ماں کا نام لیتے ہی بے پناہ محبت اور اس کے قدموں تلے جنت کا تصور آجاتا ہے۔ ماں مجسم محبت و شفقت ہوتی ہے۔ اس کی محبت کا تقاضہ تو یہ ہوتا ہے کہ جو مصیبت زدہ اولاد ہے اس کے پاس رہے مال اور آرام طلبی یہ دو چیزیں یکجا جمع نہیں ہو سکتیں ماں خود یہ کہے کہ میں وہاں رہوں گی جہاں مجھے آرام ملتا ہے یعنی جہاں خوشحالی رہتی ہے تو یہ الفاظ ماں کے مقام کو گرا دیتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت تھی کہ وہ مدراس سے تعلق رکھتی تھی جس کے بارے میں حیدرآباد میں کہا جاتا ہے کہ وہ لوگوں سے پوچھتے ہیں کہ ہم گھر پر آئیں تو آپ ہمیں کیا کھلائیں گے اور آپ ہمارے گھر آئیں تو ہمارے لئے آپ کیا لائیں گے۔ بس یہی طریقہ اس ماں نے اپنی اولاد کی حد تک بھی اپنا لیا تھا۔ آرام طلبی، خود غرضی نے اسکو ماں کے بلند مقام سے بہت گرا دیا تھا۔ علامہ فرماتے ہیں ؎

خودی کی پرورش و تربیت پہ ہے موقوف　　کہ مشت خاک میں پیدا ہو آتش ہمہ

وہی نگاہ کے ناخوب و خوب سے محرم　　وہی ہے دل کہ حلال و حرام سے آگاہ

(۴) آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آسکتا نہیں

ماں خود غرضیوں کی انتہا پر

جیلانی جس نے خاندان کے لئے

تاریخ بنائی تھی اب جبکہ نو سال

کے بعد خاندان کی ذمہ داریاں تقریباً ختم ہونے آگئی تھیں - جیلانی کو ایک نسبت مہرالنساء لڑکی کی آئی - ماں بہنوں نے پسند کیا - مکان آر سی سی کا دیگر دوسرے ضروریات کے جہیز میں دیا جا رہا تھا - معیاری شادی بتلائی گئی ماں اور بہنوں نے اس لڑکی کا منہ بھی میٹھا کر دیا تا کہ بات پکی سمجھی جائے - یکا یک ماں اور بیٹوں کی مجلس شوریٰ کے بعد مشورہ طے کیا کہ شہر کی لڑکی ماں اور بہنوں سے دور کر دے گی لہذا ایک گاؤں کی لڑکی کا انتخاب کیا گیا - جو کھیتی باڑی کرنے والا خاندان تھا نہ تہذیب سے آگاہ نہ تمدن سے آشنا - آداب محفل سے تک نابلد جس کے مالیات ناگفتہ بہ حد تک خراب تھے آج تک خاندان میں کوئی گاؤں کی لڑکی نہیں لائی گئی تھی - یہ ماں اور بہنوں نے جیلانی کی خدمات کا انعام اسے دیا تھا بہرحال جیلانی کو ایک پھول کا ہار گلے میں ڈال کر کہا گیا "چل رے بیل چل اپنے سلیخ کی جانب" بقول حضرت فانی حال یہ تھا کہ

فصل گل آئی یا اجل آئی کیوں در زنداں کھلتا ہے ؎ کیا کوئی وحشی اور آپہنچا یا کوئی قیدی چھوٹ گیا
فانی ہم تو جیتے جی وہ میت ہیں بے گور و کفن ؎ ساری امیدیں ٹوٹ گئیں دل بیٹھ گیا جی چھوٹ گیا

شادی اس قدر عبرتناک اور غربت زدہ تھی کہ شادی کی ٹی پارٹی کے لئے' بعد میں جیلانی کو معلوم ہوا کہ (۷۵) روپے دے دیئے گئے تھے کہ خود ہی انتظام کر لیں - جہیز تو اللہ ہی اللہ تھا' چوتھی کا بھی پتہ نہ تھا جو خاندان کی کسی شادی میں ایسا نہ ہوا تھا - جیلانی نے دوستوں کو چوتھی کی دعوت دیدی تھی - جیلانی کے حواس باختہ ہو گئے جبکہ اسے معلوم ہوا کہ چوتھی بھی نہیں ہوگی - اس نے شادی کے دوسرے روز ماں سے کہا " واہ اچھی ماں ہے" آج میں دوستوں کو کیا منہ دکھاؤں گا - سوچا ہوا پلان تھا' ماں نے زمین پر ایک بیٹھکی لگا کر ایسی ایکٹنگ کی کہ تو نے مجھے ایسی ماں کہا اور زمین پر ہاتھ پاؤں مارنے لگی - مقصد جیلانی کو پریشان کر کے اس کا منہ بند کرنا تھا - ایک عرصہ بعد جیلانی نے ماں سے پوچھا - آپ گاؤں کی ایسی لڑکی کیوں لائیں تو ماں نے بلا تکلف جواب دیا کہ شہر کی لڑکی آتی تو تمہیں کیا خاندان کی خدمت کا موقعہ دیتی ! ابھی خاندان کو تمہاری ضرورت ہے' جیلانی نے فانی کا یہ شعر گویا اپنے ہی لئے سمجھا -

ظالم کا نہ شکوہ کر ظلمتوں کی تہ پاکر ؎ تو اپنی دعاؤں کی عزت پہ فدا ہو جا

یہ گاؤں کی لڑکی قلب کی مریضہ نکلی' جیلانی پریشان تھا' اب ان کی مدد کو نہ ماں تھی نہ بھائی بہن سب دن عید رات شب برات کی طرح رنگ رنگیلیاں منا رہے تھے زمانہ اقبال کی زبان بنکر سفاک ماں اور بے رحم خاندان کو محو حیرت بنکر دیکھ رہا تھا اور کہہ رہا تھا کہ جیلانی نے بحیثیت فرزند و بھائی اپنا حق ادا کر دیا اور تم نے جس سفاکی بے رحمی بے وفائی کا ثبوت دیا ہے اسکے لئے خدا کے پاس بھی جواب دینا ہے اور دنیا میں بھی سزا ملنی ہے اور زمانہ خبردار کر رہا تھا محو حیرت بن کر کہ

آنکھ جو دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں ؎ محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی
چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے ؎ عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں

قدرت نے ماں اور خاندان کو ایمان سے محروم کر کے کسطرح شیاطین کے حوالے کر کے سزائے عظیم دی ہے جلد دوم میں پڑھئے ••

مصنف کے دیگر کتب

کتاب	ہدیہ
مسلمانوں کے زوال کے اسباب، علامہ اقبال کی نظر میں - کل کا مومن اور آج کا مسلمان	4/= روپے
فلسفۂ لا الٰہ الا اللہ و فلسفۂ محمد رسول اللہ اور علامہ اقبال	
فلسفۂ نماز، روزہ، حج، قرآن اور مسلمان	4/=
مسلمانوں کے تکلیف دہ سوہانِ روح زوال کا حل قل ھو اللہ احد (سورہ اخلاص) میں مضمر ہے (علامہ اقبال کی لاجواب تفسیر و مثالیں)	4/=
آج کے مسلمان کے سوچنے کا انداز اور علامہ اقبال کا تردّد	3/=
مسلمانوں کے عہد زوال میں عورت کا رول (حصہ) علامہ اقبال کے نظریات	6/=
فلسفۂ زندگی اور موت از روئے قرآن اور فرامینِ مصطفوی صلعم اور علامہ اقبال	4/=
فلسفۂ جہاد از روئے قرآن اور فرامینِ مصطفوی صلعم اور علامہ اقبال	4/=
فلسفۂ شہادت امام حسین عالی مقام اور علامہ اقبال	4/=
مسلمانوں نے ہندوستان آکر کیا دیکھا کیا پایا کیا کھویا اور نظریات علامہ اقبال — حصہ اول	6/=
" " " " " " " — حصہ دوم	6/=
گلستانِ احادیث (جزو اول یعنی چہل حدیث حصہ اول تا چہارم) اور علامہ اقبال	4/=
گلستانِ احادیث (جزو دوم یعنی چہل حدیث (حصہ اول تا سوم) اور علامہ اقبال	4/=
شانِ محمدؐ کیا کہیے شانِ غلاماں سن لیجیے۔	3/=
والدین کے حقوق قرآن اور فرامینِ رسول اللہ صلعم کی روشنی میں	4/=
خون کے آنسو ہی آنسو اور مسلمان اور علامہ اقبال	12/=
گلدستہ حمد و گلستان نعت	4/=